معارف

دسمبر ۲۰۲۱ء

مجلس دارالمصنّفین کا ماہوار علمی رسالہ

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ

سالانہ زر تعاون

ہندوستان میں سالانہ ۳۵۰ روپے۔فی شمارہ ۳۰ روپے۔رجسٹرڈ ڈاک ۴۵۵ روپے
دیگر ممالک میں سادہ ڈاک ۱۷۳۰ روپے۔دیگر ممالک رجسٹرڈ ڈاک ۱۸۵۰ روپے
ہندوستان میں ۵ سال کی خریداری صرف ۱۵۰۰ روپے میں دستیاب۔
ہندوستان میں لائف ممبر شپ ۱۰۰۰۰ روپے ہے۔

پاکستان میں ماہنامہ معارف کے لئے رابطہ کریں :

Hafiz Sajjad Elahi
196 - Ahmad Block, New Garden Town, Lahore (Punjab) Pakistan
Tel: 0300-4682752, (R) 5863609, (O) 7280916
Email: abdulhadi_133@yahoo.com

سالانہ چندہ کی رقم بینک ٹرانسفر، منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔بینک ٹرانسفر کرکے ہم کو ضرور اطلاع دیں۔

بینک اکاؤنٹ کی تفصیلات یہ ہیں:

Account Name: Darul Musannefin Shibli Academy
Bank Name: Punjab National Bank - Heerapatti, Azamgarh
Account No.: 4761005500000051 - IFSC: PUNB0476100

بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں:

Darul Musannefin Shibli Academy, Azamgarh

* زر تعاون ختم ہونے پر تین ماہ کے بعد رسالہ بند کر دیا جائے گا۔
* معارف کا زر تعاون وقت مقررہ پر روانہ فرمائیں۔
* خط و کتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافے پر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
* معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔
* کمیشن ۲۵ فیصد ہوگا۔رقم پیشگی آنی چاہئے۔

Tel. (Ma'arif Section) 06386324437
Email: mailto:info@shibliacademy.org
Website: http://www.shibliacademy.org

ڈاکٹر فخر الاسلام اعظمی (ڈپٹی ڈائرکٹر) نے معارف پریس میں چھپوا کر دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی کا علمی و دینی ماہنامہ

معارف

جلد نمبر ۲۰۸ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۳ھ مطابق ماہ دسمبر ۲۰۲۱ء عدد ۶

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی
پوسٹ بکس نمبر: ۱۱۹
شبلی روڈ، اعظم گڑھ (یوپی)
پن کوڈ: ۲۷۶۰۰۱

فہرست مضامین

شذرات

ارتداد، اوقاف، اردو، تعلیم، سیاست، دیوناگری کی تحریک، مدارس اسلامیہ، اقلیت پر مظالم، غلط تاریخ نویسی، مسلم یونیورسٹی، جامعہ عثمانیہ کی قلب ماہیت، توہین رسالتؐ، فرقہ پرستی، نصاب تعلیم، سہ لسانی فارمولہ، اسپیشل میرج ایکٹ، متبنی بل، قومیت، فسادات، تجدد پسند مسلمان، نکاح و طلاق، یکساں سول کوڈ، بابری مسجد، ملازمتوں سے دوری، سیاست میں بے وقعتی، دہشت گردی، ماب لنچنگ، لو جہاد، گھر واپسی، مذہبی مقامات کی شکست و ریخت، سی اے اے، شہریت کا حق، مسلم تعلیمی اداروں کا اقلیتی کردار وغیرہ۔ گذشتہ ایک صدی سے ہندوستان کے مسلمانوں کی تاریخ کے یہ چند عنوانات ہیں، جن کے ذیل میں ایک صدی سے زیادہ کے عرصہ کو دیکھا اور سمجھا جاسکتا ہے۔ مسائل تھے تو یہی اور مصائب تھے تو ان ہی کا شاخسانہ۔ مگر شانہ بشانہ یہ حقیقت بھی ہم راہ رہی کہ مسائل کا حل اور مصائب سے رہائی کے لیے من حیث القوم کوئی ایک مشترکہ ادارہ، کوئی تحریک کوئی پر زور صدا نہ اٹھی۔ کچھ وقتی ہلچل ہوئی لیکن حباب کے مانند وجود کھودینے میں دیر بھی نہ لگی، قریب پچاس ساٹھ سال پہلے آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کے عائلی قوانین میں تبدیلی کی آوازیں اس حلقہ سے باہر آنے لگیں جن کو اس زمانہ میں تجدد پسند کے نام سے پہچانا گیا، تاریخ کے صفحات گواہ ہیں کہ ان تجدد پسند مسلمانوں کی تبدیلی کی اس خواہش بلکہ تحریک سے اس وقت کی حکومت مسلم پرسنل لا کی تحقیق کے لیے آمادہ ہوئی، اس کا احساس ہوتے ہی معارف نے لکھا کہ اگر تبدیلی کا یہ منشا ہے کہ پرسنل لا کو مغربی قوانین کے سانچے میں ڈھالا جائے مثلاً نکاح کی تعداد اور وراثت کے قانون میں جس کے صریح احکام کلام مجید میں موجود ہیں تو اس کی قطعاً گنجائش نہیں اور مسلمان اس کو کبھی گوارا نہیں کر سکتے، اسی وقت معارف نے پرسنل لا کی آڑ میں اٹھنے والے فتنے کو دیکھ کر کہا تھا کہ اب ضرورت متحدہ اجتماعی کوشش کی ہے جس میں ہر خیال کے مسلمہ علماء شریک ہوں، اس کے بغیر یہ کام انجام نہیں پاسکتا۔ قریب دس سال کے بعد معارف کی یہ خواہش ممبئی کے مسلم پرسنل لا کنونشن کی صورت میں پوری ہوئی۔ اس وقت یہ احساس پختہ تر ہو گیا کہ جن ملکوں میں مسلمان اقلیت میں ہیں اور حکومت میں ان کی موثر حیثیت نہیں اور ملک میں ایسی جماعتیں بھی ہیں جو مسلمانوں کی ملی خصوصیات کو مٹانا چاہتی ہیں وہاں ان کا وجود صرف ان کے مذاہب، کلچر

اور زبان سے قائم ہے، ان میں سے جس چیز کو بھی نقصان پہنچے گا اس کا ملی وجود خطرہ میں پڑ جائے گا۔

****

خدا کا شکر ہے کہ مسلم پرسنل لا کنونشن سے مسلم پرسنل لا بورڈ کی شکل میں ملی وحدت کی ایسی شکل سامنے آئی جس نے اتحاد اور بنیادی مسائل میں اجتماعیت کی برکتوں سے کسی نہ کسی حد تک ملت کو آشنا کیا، وقت وقت پر نان نفقہ، تین طلاق اور یکساں سول کوڈ پر حکومت، انتظامیہ اور عدلیہ اور ذرائع ابلاغ کے حملے ہوتے رہے لیکن مسلم پرسنل لا بورڈ اپنے اس مقصد کو پیش کرنے میں کمزور نہ ہوا کہ دین کے تعلق سے قوانین اسلامی میں حکومت کو دخل اندازی کا حق نہیں دیا جائے گا اور یہ کہ مسلمان ان قوانین کی حفاظت کے لیے خود اپنے معاشرہ کی اصلاح کی فکر کرتے رہیں۔ مسلم پرسنل لا بورڈ کی خوش نصیبی رہی کہ مختلف نظریات اور مسالک پر عمل پیرا جماعتیں اور افراد، کم از کم عائلی قوانین کی حفاظت کے لیے مسلسل اپنی ہم آہنگی کا اظہار کرتی رہیں۔ علماء، مشائخ، دانشور اور سیاسی قائدین کا یہ جزوی اتحاد بہر حال امت کے لیے ایک خوش گوار احساس بنتا رہا، بورڈ کی اعلیٰ قیادت نے ہیجان انگیز مرحلوں پر بھی وقتی اشتعال اور سیمابی و سیلابی جوش کی جگہ ہوش و استقلال اور متانت و وقار کا بہترین نمونہ پیش کیا، شاید یہی وجہ تھی کہ آزادی کے بعد کسی مسلم پلیٹ فارم کو اتنی وقعت و مقبولیت حاصل ہوئی۔

****

کورونا کی وجہ سے مسلم پرسنل لا بورڈ کے دو سالانہ عوامی اجلاس نہیں ہو سکے، چند برسوں میں معاملہ صرف پرسنل لا کی کچھ شقوں اور دفعات تک محدود نہیں رہا، آزادی کے بعد گذشتہ چند برس آزمائشوں اور امتحانوں کے لیے سو سال کی مجموعی تاریخ سے بھی زیادہ صبر آزما بن گئے۔ ایسے میں ماہ نومبر میں کانپور میں بورڈ کا دو روزہ اجلاس منعقد ہوا، موجودہ تناظر میں اس کی اہمیت پہلے سے کہیں زیادہ ہو گئی، اس کا اندازہ بورڈ کے صدر مولانا سید محمد رابع ندوی کے مفصل بیان یا خطبہ سے کیا جا سکتا ہے کہ شریعت میں مداخلت کے اعتبار سے حالات پچاس سال پہلے جیسے ہی ہیں لیکن ان حالات کی نوعیت پہلے سے کہیں زیادہ سنگین اور خطرناک ہے۔ اب معاملہ یہ ہے کہ اسلامی عقائد و کردار پر زد اس طرح پڑ رہی ہے کہ نئی نسل کا ایمان اور اسلامی اقدار پر قائم رہنا ہی دشوار ہوتا جاتا ہے۔ مولانا نے حکومت یا اکثریت کا شکوہ کرنے سے زیادہ ملت کی اندرونی کمزوریوں کی

جانب توجہ دلائی کہ امت کے افراد اسلامی تشخص کھو رہے ہیں اور دانشوران ملت اور اہل فکر کی طرف سے صرف تمناؤں ہی سے اس کی فکر کی جارہی ہے۔ حقیقت ہے کہ اب ملت کی فکر کی جگہ مادی طور پر خوش حال مستقبل کی فکر نے دین و ایمان کی سلامتی کے لیے بڑا خطرہ پیدا کر دیا ہے۔ نئی نسل اپنے مذہب اور اس کی اخلاقیات سے ناواقف ہونے کی وجہ سے غیر اسلامی ماحول میں گویا ارتدادی فتنہ کے بالکل قریب آچکی ہے۔ اس سچائی کو تسلیم کرنا پڑے گا اور تب ہی اس کا علاج ہوگا کہ مادی ترقی و خوش حالی کے لیے ایسی سنگین صورت حال سے چشم پوشی کہیں اور زیادہ مسائل و مصائب کو دعوت نہ دے دے۔ اسلامی قوانین کی دہائی کیا کار گر ہوگی جب خود ملت ہی اقدار و اعمال میں غلط راہوں کی عادی ہو جائے۔ آخر ملت میں سنجیدہ فکر کی اہمیت کا احساس کب زندہ ہوگا۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ اجتماعیت ہی کسی انسانی ترقی کی مضبوط طاقت ہے جو ہمت و قربانی کی طالب ہوتی ہے۔ اس کے لیے اتحاد کے ساتھ دوسروں کے اختلاف کو ممکنہ حد تک برداشت کرنا ضروری ہے تو پھر اختلاف کو مخالفت کا ذریعہ کیوں بنایا جائے؟ مختلف کاموں میں جوش ہمارے ہوش پر غالب آتا رہا ہے، اس سے عملی طاقت کمزور ہی ہوتی ہے۔ بہت سی کوششیں خاموشی کی ضرورت چاہتی ہیں، ہر جگہ اعلان و تشہیر فائدہ مند نہیں ہوتا۔ اس لیے حکمت عملی کی اہمیت کو سمجھنا ضروری ہے۔ بورڈ کے ستائیسویں اجلاس میں اس کے صدر کا یہ لہجہ اور گزارشات بدلتے وقت کی سنگینی اور آنے والے طوفانوں کی شدت کا ایک احساس ہے۔ ماتم تو اس قوم کا ہے جس کی سادگی کا رونا آج ہی نہیں صدیوں سے ہے کہ لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں۔ سب سے بڑی تلوار تو وہ شعور ہے جو خطرات و خدشات کا رخ بھانپ سکے۔ بورڈ کے صدر نے اس شعور کی جانب توجہ دلانے کا فرض ادا کیا، اب سمجھنے اور عمل کرنے کی ذمہ داری اوروں پر ہے۔

مقالات

شراکتی تعددیت: ہندوستانی جمہوریت کا حل

ڈاکٹر محمد غوث

اسسٹنٹ پروفیسر سیاسیات، گورنمنٹ ویمنز ڈگری کالج، سنگاریڈی، حیدرآباد

Mob: 9030853239

تعددیت (Pluralism) ایک ہمہ جہتی تصور ہے۔ قارئین ''سیاسی تعددیت'' سے واقف ہوں گے جو مقامی گروہوں کو اپنے معاملات کے انتظامات میں خود مختاری فراہم کرتی ہے۔ سیاسی تعددیت کا دوسرا ممکنہ احساس اس کے بجائے سیاسی تدابیر اس کے حصول اور نظریات کی مزید وسعت کو یقینی بناتا ہے جو باہمی وجود اور تعاون کے لیے آپس میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

سیاسی عدم طاقت اور اقتدار کا احساس ہمارے دور کے لیے دلچسپی کا باعث ہے جبکہ ماضی کے پندرہویں صدی کے فرانسیسی شاعر ڈیشامپ Deschamps نے مختلف موضوعات پر روشنی ڈالی ہے۔ مختلف تجزیہ نگاروں اور مفکرین نے موجود سماجی زندگی پر طاقت، اقتدار اور حکومتی امور کو مرکزی اور غیر ناگزیر معمول کے طور پر شہری میکانیکی اور سماجی سرخ فیتہ سے جرم کو دیکھا ہے۔ ''بے شک افراد نے سماجی اقتدار سے پہلے بڑے خوش گوار تجربات کا مشاہدہ کیا اور لوگوں کو اس طرح کے بڑے انحصار کا سامنا کرنا پڑا۔ اس طرح کی توانائی کی منتقلی سے علاحدگی کا احساس سنجیدگی غیر مستحکم دنیا کے حالات کے ساتھ عدم استحکام کا شکار ہوا'' (Keniston 1960)۔ ۱۹۵۰ کی دہائیوں سے سیاسی مفکرین نے وسیع پیمانے پر سیاسی تصورات اور نظریات کی وضاحت پر پیش رفت کی ہے اور سیاسی و سماجی ماہرین نے تحقیقات کی ہیں کہ اس طرح کے مختلف شعبوں میں عوامی احساسات (Popular Sentiment) رائے دہی کا تناسب (Voting Turnout) گروہوں کی دلچسپی (Group Choices) اختلاف کی صداقت اور گنجائش (Dissent Authenticity)، سیاسی

سماجیانہ (Political Socialization) بنیاد پرست قانون سازی کے مسائل (Radical Legislative Issues) جماعتوں اور انجمنوں کے مسائل شامل ہیں۔ پرینگر (Pranger) کی ''اقتدار کی سیاست'' بہ مقابلہ ''شراکت کی سیاست'' کو غلط انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اس دلچسپی کے پس منظر میں جو مفاد وابستہ ہے وہ کنٹرول کو قائم رکھتا ہے جو موجودہ سماج کے ایک اہم عنصر کو نمایاں کرتی ہے جو مستحکم نہیں ہے۔ متعدد انتظامیہ کا نظم و نسق مختلف ہوتا ہے۔ سماج میں شہریوں کی اکثریت مفلس اور مفلوک الحال ہوتی ہے اور ان پر سیاسی فیصلہ سازیوں کا اثر نہیں ہوتا۔

تعددیت کا مفہوم: تعددیت، وحدانی اقتدار کے خلاف احتجاج ہے جو مملکت کو لامحدود اختیارات عطا کرتا ہے۔ Meclver, Duguit, A.D.Lindsay, G.D.H.Colc, Ernest, Barker, J.N.Figgs, Harold Laski تعددیت کے فلسفے کے علم بردار ہیں۔ تعددیت کے حامیوں کے مطابق اقتدار مملکت میں مرتکز نہیں رہتا اور نہ متعدد اداروں میں پایا جاتا ہے مثلاً خاندان' کلیسا مملکت سے پہلے وجود میں آئے ہوئے ادارے ہیں۔ تعددیت کا تصور قدیم یونانیوں کے افکار سے فروغ پایا Demonstrations اور E Picurus نے ''عالموں کی تعددیت'' کا تصور پیش کیا۔ Xenoplan Herooint‌er جیسے مورخین نے یونانیوں، مصریوں اور ایرانیوں کے مابین ثقافتی اختلافات پر زور دیا۔ تاریخ انسانی نے بعد کی صدیوں میں یونانیوں کے فلسفہ حیات کی توثیق کی جو نسلی' مذہبی' لسانی اور ثقافتی گروہوں میں پائے جاتے ہیں۔

اس کے برعکس دیگر اداروں کی طرح مملکت بھی معاشرہ کا ایک ادارہ ہے۔ مملکت کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ اقتدار اعلیٰ پر اپنا حق جتائے اور اپنی مرضی مسلط کرے۔ اقتدار اعلیٰ مملکت کی ملکیت نہیں ہے۔

شراکتی تعددیت / سیاسی تعددیت: سیاسی تعددیت کا تصور مقاصد جمہوریت کی تشریح کرتا ہے جس میں خیالات / آراء کا وجود پایا جاتا ہو اور انسانی گروہوں کو سیاسی نظام میں اظہار خیال کی آزادی حاصل ہو۔ جمہوریت اور تعددیت کا رشتہ نہایت نازک ہے۔ جمہوریت اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ سارے افراد طرز ہائے فکر، آراء اور اقدام کے اختلاف کے باوجود حکومت سے جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ مثالی طور پر تعددیت اس بات کی متقاضی ہے کہ کوئی ایک گروہ کسی دوسرے گروہ کے مقابلہ میں کسی مخصوص دعوے داری کا ادعانہ

کرے۔ ان معنوں میں جمہوریت اس بات کی توثیق کرتی ہے کہ معاشرہ کے سارے انسانی گروہ توجہ پانے کے مستحق ہیں۔

ہندوستان میں تعددیت: مسابقتی اصطلاحوں میں ہندوستان کی جمہوریت کم از کم دو حیثیتوں سے اہمیت کی حامل ہے۔ اول یہ کہ مذہب اور زبان اور ثقافت ذات اور قبیلہ کے معاملے میں ایک وسیع تعددیت کا اظہار کرتی ہے۔ ہندوستان میں ہندوؤں کی اکثریت ہے یعنی یہ ۷۹.۸ فیصد ہیں جبکہ جملہ آبادی ۱.۲۱ ابلین کے لگ بھگ ہے۔

ہندوستان میں مسلمان ۱۴.۲ فیصد ہیں یعنی آبادی کے اعتبار سے ساری دنیا میں ہندوستان تیسرا بڑا ملک ہے۔ ۲۰۹۰ء تک ہندوستان آبادی کے لحاظ سے ساری دنیا میں پہلا بڑا ملک بن جائے گا۔ دیگر مذاہب کے ماننے والے مختلف زبانیں بولتے ہیں۔ لسانی اعتبار سے ہندوستان میں ۲۲ سرکاری زبانیں ہیں اور ۱۲۲ بڑی زبانیں یہاں بولی جاتی ہیں۔ ہندی بولنے والوں کی تعداد ۴۱ فیصد ہے، اس کے بعد بنگالی زبان بولنے والے ہیں، پھر تیلگو، مرہٹی، تمل اور اردو بولنے والے ہیں۔ مذہب اور زبان کا فرق ہندوستان کی سیاست میں ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔

دوسرا یہ کہ ہندوستان کی تعددیت نہایت قدیم ہے۔ یہ حالیہ عرصے کی ہجرت کا نتیجہ نہیں ہے جیسا کہ مختلف مغربی جمہوریتوں کا حال ہے ہندوستان میں مہاجرین کے حقوق کبھی بھی موضوع بحث نہیں رہے۔ ہندوستان کے مختلف مذہبی، لسانی اور قبائلی کسی نہ کسی شکل میں اقلیتی موقف کے حامل ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ بعض ہندو قوم پرست اسلام اور عیسائیت کو بیرونی مذہب شمار کرتے ہیں اور سکھ مت، جین مت اور بدھ مت کو ہندو مذہب کی شاخیں کہتے ہیں۔ تاہم دنیا کی بعض قدیم قومیں ہندومت سے اسلام میں داخل ہونے والوں کو حالیہ عرصے میں تبدیل مذہب کرنے والے نہیں مانتیں۔ مہاجر اقلیتوں کے حقوق بعض مقامات پر متنازعہ پائے گئے جیسا کہ آسام میں ہوا ہے۔ کن گروہوں کو ہندوستان میں اقلیت تسلیم کیا جائے یہ ابھی واضح نہیں ہوا ہے۔ جیسا کہ آسام میں ہو رہا ہے۔ انگریزوں کے دور میں دلتوں نے بھی اقلیت ہونے کا دعویٰ پیش کیا۔ کیونکہ SCs تقریباً ۱۶.۲ فیصد ہیں اور S.Ts تقریباً ۸.۶ فیصد ہیں بعض ریاستوں میں ہندو بھی اقلیت میں ہیں جیسے کشمیر۔ ہندوستان میں ہندو قوم پرستی، سری لنکا کی سنہالی بدھسٹ طبقہ کی طرح اقلیتی عقدہ (Minority Complex) میں مبتلا

ہے۔ یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ اکثریتی طبقہ اپنا حصہ نہیں پا رہا ہے۔

جہاں تک زبان کا مسئلہ ہے، دستور ہند کسی ایک زبان کو ''سرکاری زبان'' نہیں گردانتا بلکہ ۲۲ سرکاری زبانیں تسلیم کرتا ہے۔

ذات کے اعتبار سے دوسری پچھڑی ذاتیں OBCs تقریباً ۴۴؍ فیصد ہیں۔ اعلیٰ ذات کے طبقات جیسے برہمن وغیرہ ۱۶؍ فیصد ہیں جو عددی اعتبار سے اقلیت کہلائے جاسکتے ہیں۔

ہندوستان کا دستور کسی مذہب کی نشان دہی نہیں کرتا بلکہ سیکولر نظریات کو فروغ دیتا ہے۔ جس میں مملکت کو مذہب سے مساوی فاصلہ برقرار رکھنے پر زور دیا گیا ہے۔

تعددیت کے لیے چیلنجز: حالیہ عرصے میں مختلف خیالات کی وجہ سے تعددیت کے لیے کئی چیلنجز پیدا ہوئے ہیں۔ حالیے عرصے میں ۱۹۹۲ء میں بابری مسجد کا انہدام تعددیت کے لیے ایک بہت بڑے چیلنج کے طور پر ابھرا ہے۔

دستوری اقربا پروری: دستور ہند مملکت کو ایک مذہبی ریاست بننے کی اجازت نہیں دیتا اور کسی ایک مذہب کی طرف داری کرنے سے بھی روکتا ہے۔ دستور ہند میں کئی ایسی دفعات ہیں جو بلا لحاظ مذہب ہر ایک کے لیے ترقی کے مواقع فراہم کرتی ہیں اور مذہب کی بنیاد پر اختیار کو روکتی ہیں لیکن نہ قانون میں اور نہ ہی عملی طور پر مملکت اور مذہب میں علاحدگی کا کوئی تصور ملتا ہے۔ درحقیقت یہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کے دائرۂ کار میں مداخلت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

دستور ہند کی دفعہ 290A ایک مخصوص مذہب کی طرف داری کرتی ہے۔ اس میں یہ گنجائش رکھی گئی ہے کہ ہندوستان کی ریاست کیرلا میں سابقہ ریاست ٹراونکور میں ہندو مندروں کو سرمایہ مہیا کیا جائے گا۔

مذہب کی آزادی کے گمراہ کن قوانین۔ تبدیلی مذہب اور دوبارہ تبدیلی ہندوستان کی ۲۹ ریاستوں میں سے سات ریاستوں یعنی گجرات (۲۰۰۳)، اروناچل پردیش (۱۹۷۶)، راجستھان (۲۰۰۶)، مدھیہ پردیش (۱۹۶۸)، ہماچل پردیش (۲۰۰۶)، اوڈیشہ (۱۹۶۷) اور چھتیس گڑھ (۱۹۰۶) نے آزادی مذہب کا قانون اختیار کیا جسے عام طور پر مخالف تبدیلی قانون کہا جاتا ہے۔ یہ قوانین جبری طور پر تبدیلی مذہب پر امتناع عائد کرتے ہیں۔ ان قوانین سے اقلیتوں کے ساتھ غیر مساویانہ سلوک کیا گیا ہے۔ ''تبدیلی مذہب کی آزادی کے

حق''کو ''مذہب کی آزادی کا حق'' سے مربوط کیا گیا ہے جس کا ذکر دستور ہند کی شق ۲۵ میں ہے۔ دیگر دساتیر کی طرح ہندوستان کے دستور میں ''تبدیلی مذہب'' کی واضح تشریح نہیں کی گئی ہے اس لیے شق ۲۵ کا حوالہ دے کر یہ کہا جاتا ہے کہ اس میں تبدیلی Conversion آزادی ضمیر Freedom of Conscience سے ابھرتی ہے۔

قانون بیرونی عطیہ جات: FCRA 1976 (جس میں ۲۰۱۰ میں ترمیم کی گئی) کا استعمال مسلسل شہری معاشرہ کی تنظیموں، خیراتی ادارہ جات اور دیگر رضاکارانہ تنظیموں کے خلاف کیا گیا ہے۔

اس قانون کے تحت تبلیغی ادارے کے لیے اس قانون کی پابندی لازمی ہے جس کی وجہ سے بیرونی امداد کم ہوئی ہے۔ لیکن حکومت نے اس قانون کا استعمال باہر سے آنے والی امداد کو روکنے کے لیے کیا ہے۔

حالیہ عرصے میں حکومت نے تیستا سیتل واڈ اور ان کے شوہر جاوید آنند پر بیرونی فنڈز کے ناجائز استعمال کا الزام عائد کیا ہے۔ تیستا سیتل واڈ گجرات کے ۲۰۰۲ء کے فسادات سے متاثرہ مسلمانوں کی مدد کر رہی ہیں۔ وہ نریندر مودی کے خلاف بھی مجرمانہ الزامات عائد کرنے کے لیے جدوجہد کر رہی ہیں۔ نیویارک فورڈ فاؤنڈیشن کو، جو تیستا سیتل واڈ کی مالی مدد کر رہا ہے، FCRA کی Nation list میں شامل کیا گیا ہے۔ ۲۰۱۶ء میں حکومت ہند نے تیستا سیتل واڈ کی تنظیم کا FCRA رجسٹریشن منسوخ کر دیا۔ امریکی سفیر رچرڈ ورما نے شہری تنظیموں پر پابندی کے خلاف تشویش ظاہر کی ہے۔ حکومت ہند کی وزارت داخلہ نے پچھلے دس سال کے دوران بیس ہزار چھ سو غیر حکومتی تنظیموں کے FCRA رجسٹریشن منسوخ کر دیے ہیں۔ زیادہ تر منسوخی مودی کے وزیر اعظم بننے کے بعد ہوئی ہے۔

دفعہ ۴۸۔ تحفظ گائے قانون: گائے ہندو مذہب میں مقدس مانی جاتی ہے۔ دستور ہند کی دفعہ ۴۸ کے تحت ۲۹ میں سے ۲۴ ریاستوں نے ۲۰۱۵ء تک گائے ذبح کرنے پر پابندی عائد کر دی۔ ایسا کرنے والے مجرم قرار دیے گئے، ان پر جرمانے عائد کیے گئے اور قید کی سزائیں دی گئیں۔ گاؤکشی ہندوستان میں ایک مستقل ''غذائی فاشزم'' رہی ہے جس کی وجہ سے ہمیشہ ہندوؤں، دلتوں اور مسلمانوں کے درمیان تناؤ رہتا ہے۔

گائے کا گوشت مختلف اقلیتوں بشمول دلت، عیسائی اور مسلمانوں کے لیے ایک اہم غذا ہے۔ یہ لوگ اپنی غذا کے لیے گاؤکشی کرتے ہیں۔ اسلامی قانون کے مطابق عیدالاضحیٰ کے موقع پر گائے کی قربانی جائز ہے۔

گاؤکشی کے قانون کو کئی عدالتوں میں چیلنج کیا گیا ہے۔ ۱۹۵۸ء میں محمد حنیف قریشی بمقابلہ ریاست بہار کے مقدمہ میں اس بناپر چیلنج کیا گیا کہ یہ دستور ہند میں (۱)۱۹ اور ۲۵ میں دیے گئے تیقنات کے مغائر ہے، لیکن عدالتوں نے آرٹیکل ۴۸ 48 کا سہارا لے کر اس قسم کی پابندی کو جائز ٹھہرایا۔ لوک سبھا میں بی جے پی نے گاؤکشی پر امتناع کا قانون منظور کروایا۔ ۲۰۱۷ء کے انتخابات میں مودی نے نعرہ ''مودی کی مت دان۔ گائے کو جیون دان'' کا بھرپور استعمال کیا (مودی کو ووٹ دیجیے گائے کو زندگی دیجیے) اور ''بی جے پی کا سندیش، بچے گی گائے، بچے گا دیش'' نریندر مودی کی تائید کے لیے تحفظ گائے ایک مرکزی ہتھیار تھا۔ گائے کے قانون کو اکثر مخالف مسلم جذبات سے مربوط کردیا جاتا ہے۔

انحراف کی وسعت: جب سے بی جے پی اقتدار میں آئی ہے اس وقت سے مسلمانوں کے خلاف حقوق انسانی کی پامالی اس کا ایک مستقل ایجنڈہ ہے۔ اگست ۲۰۱۶ء کی رپورٹ برائے بین الاقوامی مذہبی آزادی International Religious Freedom Report (امریکی وزارت خارجہ) میں یہ بیان کیا گیا کہ ''مذہبی بنیادوں پر قتل، حملے، مساوات، جبری مذہبی تبدیلی، لوگوں کو مذہب تبدیل کرنے کے لیے بنیادی حق کی پامالی، غنڈہ گردی، امتیازی سلوک، عیسائی مبلغین پر تشدد، کلیساؤں، مدرسوں اور خانگی جائدادوں پر حملے ہندوستان میں جاری ہیں''۔

مسلمانوں پر گائے کا گوشت استعمال کرنے کے الزام کے تحت حملے عام ہوگئے ہیں۔ امریکہ کے میشن برائے بین الاقوامی مذہبی آزادی US Commission on International Religious Freedom نے ایک رپورٹ جاری کی جس کا عنوان ہے ''ہندوستان کی مذہبی اقلیتوں کو درپیش آئینی اور قانونی چیلنج'' Constitutional & Legal Challenge Faced by Religious Minorities in India، جس میں یہ کہا گیا کہ ہندوستان میں ''مذہبی رواداری'' (Religious tolarence) کم ہوگئی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہندوستان کے عہدہ داروں نے مذہبی آزادی کو ختم کرنے کے لیے اور ناقدین کو خاموش کرانے کے لیے انتہائی متعسفانہ (Repressive) قوانین کا استعمال کیا ہے۔ امنسٹی انٹرنیشنل کی رپورٹ میں یہ کہا گیا ہے کہ انسانی حقوق کا دفاع کرنے والے افراد اور تنظیموں کو ذلت اور ہراسانی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ سرکاری اعداد و شمار بتلاتے ہیں کہ اگست ۲۰۱۰ء سے دلت اور آدی باسیوں پر

مظالم کے ۴۵ ہزار سے زیادہ واقعات ہوئے ہیں جبکہ شیڈالڈ اکاسٹس اور شیڈولڈ ٹرائیبز کے خلاف ۱۱ ہزار واقعات ہوئے ہیں۔

کشمیر اور چھتیس گڑھ کی ریاستوں میں تشدد کے واقعات بڑھ گئے ہیں۔ اگست ۲۰۱۶ء میں اقوام متحدہ کے ہائی کمشنر برائے حقوق انسانی زید رعد حسین نے افسوس کا اظہار کیا کہ ان کی تنظیم کو کشمیر میں داخلے کی اجازت نہیں دی گئی۔

یوروپین یونین نے دنیا میں حقوق انسانی اور جمہوریت کے بارے میں اپنی سالانہ رپورٹ Annual Report on Human Rights and Democracy in the World میں بتایا ہے کہ نے یہ رپورٹ دی کہ یوروپین یونین نے ستمبر ۲۰۱۶ء میں ہندوستان میں مسلمانوں اور دیگر مظلوم طبقات کو درپیش حفاظتی اور شناخت کے چیلینجز کے تحت پولیس اور سیکوریٹی فورسز، ذہنی ایذارسانی، غیر قانونی حراست، ماورائے عدالت قتل دہشت گردی کے مقامات، امن امان کا ماحول، عدالت پر دباؤ، اقلیتوں پر حملے، لوجہاد، گھر واپسی (ہندومت کی طرف واپسی)، اظہار خیال پر پابندی، بیرونی امداد کے حصول پر پابندی اور حقوق انسانی کا دفاع کرنے والوں کی ہراسانی وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔

حل: عثمانی ترک مسلمان تھے۔ انہوں نے مشرق وسطیٰ کے شمالی افریقہ یونان اور مشرقی یورپ وغیرہ کے ممالک جیسے یونان وغیرہ سے چودھویں صدی کا ''تصور ملت'' اخذ کیا۔ ملت کی اس تعریف میں مملکت اسلامیہ میں بسنے والے عیسائی اور یہودی بھی شامل ہیں۔ ان لوگوں کو نہ صرف اپنے اپنے مذاہب پر عمل پیرا ہونے کی پوری پوری آزادی تھی بلکہ وہ اپنے علاقوں کا داخلی انتظام بھی سنبھالتے تھے۔ تین غیر مسلم اقلیتوں کو ملت میں شمار کیا گیا جو یہ ہیں: قدیم یونانی عیسائی، آرمینیا کے لوگ اور یہودی۔ ان تینوں اقوام کی مزید تقسیم کی گئی اور انہیں مختلف انتظامی اکائیوں میں بانٹا گیا۔ وہ نئے کلیسا تعمیر کر سکتے تھے۔

اگرچہ ملت نظام میں کافی آزادی تھی اور طبقہ واری اختلافات تھے لیکن یہ بالکلیہ طور پر آزادانہ نظام نہیں تھا۔ یہ معاشرہ میں فرقہ جاتی تبدیلی کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

یہ معاشرہ نہایت قدامت پسند تھا لیکن اس کو Locke, Kant اور Bill جیسے آزاد پسند لوگوں کی حمایت حاصل تھی۔ پچھلی پانچ سو سالہ انسانی تاریخ میں جن میں معاشرہ کے لوگوں کی اصلاح کی کوششیں کی

گئیں۔ انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں بعض ملتوں نے علاحدہ اور آزادانہ دساتیر کو اختیار کیا۔ اس لیے اقلیتوں کو خود اختیار حکومت عطا کرنے کا تصور غیر آزادانہ نہیں ہونا چاہیے۔

دو گروہوں کے مابین اقلیتوں کے حقوق میں امتیاز کرنا ضروری ہے۔ ایک طرف تو گروہ کے حقوق معاشرہ کے خلاف ہیں اور دوسرے گروہ کے حقوق خود اس گروہ کے اراکین کے خلاف ہیں۔ میرے خیال میں پہلے گروہ کے حقوق جاری ہیں جو آزادی اور مساوات پر مبنی ہیں، جو اکثریتی گروہوں کے تسلط سے صیانت فراہم کرتے ہیں۔ اس نوعیت کے اراکین کے حقوق عثمانی حکومت میں کلیسا کے اختیارات کو مسترد کر سکتے ہیں۔ عثمانی ترکوں نے رواداری کی پالیسی اختیار کی۔ جس کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اکثریتی گروہ دوسرے مذاہب کے افراد کے ساتھ باہمی ربط و ضبط اور ایک ساتھ مل جل کر رہنے پر رضامند ہے۔ (Branote, Lewis 1981)

نتیجہ: بھارت رتن ڈاکٹر امبیڈکر کا حوالہ دے کر یہ کہا جاتا ہے کہ: "اکثریتی طبقے کا یہ فرض ہے کہ وہ اقلیتوں میں امتیاز روانہ رکھے"۔

اقلیتیں باقی رہیں گی یا ختم ہو جائیں گی، اس کا انحصار اکثریت کے رویے پر ہے۔ جس وقت اکثریت، اقلیت کے ساتھ امتیاز برتنے کی عادت ترک کر دے گی۔ اقلیت کے لیے ایک ساتھ رہنے کی اساس باقی نہیں رہے گی۔ وہ ختم ہو جائے گی۔ بہت بڑا سوال یہ ہے کہ آیا طبقات کے مابین کوئی حد فاصل کھینچی جاسکتی ہے جس کو حکومت یا شہری معاشرہ مقرر کر سکتا ہے۔ حالیہ تشدد اور عدم رواداری کے واقعات کا فروغ اس بات کا ثبوت ہے کہ قانون نافذ کرنے والے ادارہ جات عدم کارکرد ہو گئے ہیں۔ شاید اس کی وجہ سیاسی دباؤ ہو۔

صحافت بھی غیر ضروری مسائل میں الجھی ہوئی ہے۔ ملک کی مینسٹریم میڈیا حقیقی مسائل سے انحراف کر رہی ہے۔ وہ سیاسی آقاؤں، انتخابات، ذات پات کی سیاست کا آلہ کار ہو گئے ہیں اور یہ دولت کا کھیل ہو گیا ہے۔

مسلمان تعداد کے اعتبار سے اقلیت میں ہیں۔ ان کے پاس دولت نہیں ہے اور قیادت کا فقدان ہے۔ حالیہ عرصے میں بی جے پی مسلمانوں کو ٹکٹ دینے سے گریز کر رہی ہے۔ اترپردیش اور گجرات میں ایسا کیا گیا ہے۔ یہ سب سے زیادہ خراب اخراجی پالیسی ہے جو تشدد پسند پارٹیوں نے اختیار کیا ہے۔

اس ملک کو اس بات کا فیصلہ کرنا ہے کہ آیا وہ سیکولر رہنا چاہتا ہے اور دستور میں عطا کی گئی تعددیت کو

برقرار رکھنا چاہتا ہے۔ مسلمانوں کو جس قسم کے چیلنجز درپیش ہیں جو ریاست کے علاوہ دیگر اصحاب اختیار کر رہے ہیں اور ثقافتی وطنیت/حب الوطنی کے نام پر دہشت پھیلا رہے ہیں۔

اس لیے ایک جامع پالیسی وضع کرنے کی ضرورت ہے تاکہ تعددیت کے ڈھانچے میں سیاسی شراکت داری کو برقرار رکھا جاسکے۔ ایک سنجیدہ مباحثہ کی ضرورت ہے تاکہ شہری معاشرہ میں امن اور یکجہتی کی فضاء پیدا کی جاسکے اور ایک قابل قبول حل نکل سکے، جیسے Not in my name (میرے نام میں نہیں) جیسی تحریک شروع کی جاسکے جس کا بہت اچھا اثر مرتب ہوا ہے۔ ایسی تحریکوں کو سارے ملک میں پھیلایا جانا چاہیے۔ ان کو اسمبلی کے حلقوں میں وسیع کیا جانا چاہیے۔

سیاسی پارٹیوں کا رول نہایت اہم ہے۔ انہیں صرف اقتدار چھیننے کی کوشش میں لگے نہیں رہنا چاہیے۔ مسلمانوں کی شراکت، ان کی فیصلہ سازی میں شمولیت جیسے اقدامات انہیں سیاسی تعددیت کی ضمانت فراہم کرتے ہیں۔

التائیۃ الکبریٰ اور ابن الفارض

ڈاکٹر ابوذر محمد احمد

abuzarhateem2011@gmail.com

ابن الفارض کا نام شرف الدین ابو حفص عمر ابن الفارض تھا۔ وہ مصر میں سنہ ۵۷۶ھ میں پیدا ہوئے اور وہیں ۶۳۲ھ میں وفات پائی۔ ان کے والد شام کے شہر ''حماۃ'' سے آکر مصر میں آباد ہوئے تھے۔ اسی وجہ سے ابن الفارض کے نام کے ساتھ حموی بھی ملتا ہے۔ علم حدیث میں وہ ابن عساکر کے شاگرد ہیں بعد میں صوفیہ کے طریقوں کی طرف راغب ہوئے۔ غیر آباد مسجدوں اور کبھی کبھی پہاڑوں کا رخ کرتے، شام کے وقت دریائے نیل کا مشاہدہ کرتے، کبھی کبھی رقص کرتے اور وجد میں آجاتے۔ غیر حج کے مہینوں میں مکہ جاتے حرم میں نمازیں پڑھتے اور عزلت نشینی کے لیے مکہ سے دور وادیوں میں نکل جاتے۔ ان کا مطبوعہ دیوان موجود ہے جسے ان کے نواسے علی نے یکجا کیا تھا۔[1] اس دیوان کی ''التائیۃ الکبری'' نامی نظم کو صوفیہ کے یہاں بڑا مقام حاصل ہے جس کو ''نظم السلوک'' بھی کہتے ہیں اس میں ساڑھے سات سو کے قریب اشعار ہیں۔

روئے زمین پر خدا کا آخری پیغام قرآن مجید کی صورت میں آیا اس پیغام میں اتنی کشش تھی کہ اس نے سیاہ وسپید، عرب وعجم اور ہر کہ ومہ کو اپنی آغوش میں لینا شروع کردیا۔ اس پیغام نے زندگی کو ایک نیا اسلوب دیا محمود وایاز کو ایک ہی صف میں کھڑا کرکے ان کے اندر سے من وتو کا فرق مٹادیا۔ زندگی کے کسی گوشے کو تشنہ نہیں چھوڑا۔ انسان اور انسانی زندگی کو عبدیت اور وحدانیت کے جام سے اس قدر سرشار کردیا کہ خدا کی خوشنودی سے قلب ونگاہ کبھی انحراف کرتے تھے نہ کبھی آخرت کی بازپرس سے غافل ہوتے تھے۔ اسلام

---

[1] خیر الدین الزرکلی، الاعلام، المجلد الخامس، دار العلم للملایین، بیروت، الطبعۃ السادسۃ ۱۹۸۴، ص ۶۵-۵۵

کے پیروکاروں نے دنیائے دوں کو مزرعۃ الآخرۃ کے درجے میں ہی رکھا۔

دوسری صدی ہجری کے تقریباً نصف آخر میں عبدیت کا یہ شعور کمزور پڑنا شروع ہوا تو بہت سے اللہ کے نیک بندے اٹھے جنھوں نے اپنے وعظ اور شاعری کے ذریعے معاد کے تصور کو تازہ کرنے کی کوششیں کیں ۔لوگوں میں مزید فراغت آتی گئی تو عیش و عشرت کے بڑے بڑے مراکز قائم ہونے لگے جو کسی مغنیہ یا مغنی کے نام سے مشہور ہوتے تھے امراء ورؤساء کے یہاں رنگ وطرب کی محفلیں جمتی تھیں ان محفلوں میں رؤساء کے ساتھ ساتھ معاشرے میں صاف ستھری شبیہ رکھنے والے بھی پندار کا صنم کدہ ویران کرکے آتے تھے۔ حسن و عشق میں ڈوبی اس فضا کے سرور کااندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ خلیفہ مہدی کے پاس ایک کنیز نے خوشبو میں بسا ہوا ایک سیب تحفۃً بھیجا تھا جس پر ذیل کی ابیات لکھی ہوئی تھیں:

هدية مني الى المهدي تفاحة تقطف من خدي

محمرة مصفرة طيبة كأنها من جنة الخلد[2]

جو لوگ عوام الناس کو خدا کی طرف بلا رہے تھے ان میں سے جن لوگوں نے شاعری کو مافی الضمیر کی ادائیگی کا ذریعہ بنایا ان میں عبد اللہ ابن المبارک محمد بن کناسہ محمود وراق ابو بکر الشبلی اور ابوالعتاہیہ کا نام کافی نمایاں نظر آتا ہے۔ان شعراء کے یہاں تصوف کا وہ رنگ تو نہیں ملتا جو بعد کی صدیوں میں نظر آتا ہے مگر اس بات سے انکار کی گنجائش کم نکلتی ہے کہ ان کی زاہدانہ شاعری میں تصوف کے عناصر موجود تھے۔ تصوف کا لفظ گو کہ بعد کی صدیوں میں استعمال ہونا شروع ہوا مگر تصوف کے فکری عناصر عرب کے ریگزاروں میں پہلے سے موجود تھے مصر اور اس کے مضافات میں بہت سے مصریوں نے بہت پہلے عیسائیت قبول کرلی تھی اور اسکندریہ باقاعدہ یونانی ثقافت اور فلسفے کا مرکز بن چکا تھا جہاں مسیحی رہبانیت کی بنیاد بہت پہلے پڑ چکی تھی، ساتویں صدی عیسوی میں پہلے اس علاقے کو اہل فارس نے اور بعد میں مسلمانوں نے فتح کیا تھا۔[3]

---

[2] شوقی ضیف، تاریخ الادب العربی، العصر العباسی، الطبعة السابعة، دار المعارف، القاهرة، ص ٦١

[3] Ronald H. Baiton, *The History or Christianity,* English Language Edition 1964, Published by American Heritage Publishing Co., p. 121

تصوف میں استعمال ہونے والے بہت سے الفاظ جن کو اصطلاح کا درجہ ملا ہوا ہے وہ بہت سے شعرا کے یہاں پہلے ہی سے استعمال ہوتے تھے مثلاً ابو بکر شبلی[4] کی ذیل کی ابیات میں نہ صرف تصوف کے اصطلاحی الفاظ موجود ہیں بلکہ تصوف کا پورا پورا رنگ نظر آتا ہے:

و کنت بلا وجد اموت من الھوی   وھام علی القلب بالخفقان

فلما أرانی الوجد أنك حاضر   شھدتك موجودا بكل مكان

فخاطبت موجودا بغیر تكلم   ولا حظت معلوما بغیر عیان[5]

(وجد کے بغیر میں طمع سے مرا جاتا تھا، اور عالم یہ تھا کہ یہ طمع دل کی دھڑکنوں میں سمائی ہوئی تھی جب میں وجد میں آیا تو تجھے ہر جگہ موجود پایا اور لفظوں کا سہارا لیے بغیر موجود سے بات چیت کی اور آنکھوں کا سہارا لیے بغیر معلوم کو دیکھا)

ایک مرتبہ ابو بکر شبلی کسی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ دوران گفتگو یوں گویا ہوئے۔ ''ما أحوج الناس إلی سکرۃ'' (لوگوں کو سکرہ (مدہوشی) کی بہت ضرورت ہے) پوچھا گیا سکرہ کیا ہے؟ فرمایا ''سکرۃ تغنیھم عن ملاحظات انفسھم وافعالھم واحوالھم والاکوان وما فیھا'' (سکرہ ایسی چیز ہے جو لوگوں کو اپنے آپ سے اپنے افعال و احوال سے نیز کائنات اور کائنات میں موجود تمام چیزوں سے بے نیاز کردے) اور اس کے بعد یہ شعر پڑھا:

و تحسبنی حیاً وانی لمیت   وبعضی من الھجران یبکی علی بعضی[6]

(تم مجھے زندہ سمجھتے ہو حالانکہ میں ایک لاش ہوں میرے جسم کے حصے (محبوب کے فراق میں) ایک دوسرے پر گریہ کر رہے ہیں)۔

---

[4] ان کے نام میں اختلاف ہے، سر من رای میں پیدا ہوئے جنید بغدادی اور دوسرے بزرگوں کی صحبت میں رہے، مالکی مسلک کے پیرو تھے ستاسی سال زندہ رہے اور ۳۳۴ میں بغداد میں وفات ہوئی اور خیزران کے قبرستان میں دفن ہوئے (حاشیہ ''التعرف لمذھب اھل التصوف ص ۲۹)

[5] الخطیب البغدادی - تاریخ بغداد جلد ۱۳ - الطبعۃ الأولی ۲۰۰۴، دار الفکر، بیروت، ص ۳۲۹

[6] حوالہ سابق، ص ۳۳۲

تیسری صدی ہجری میں حب الٰہی کا تصور سامنے آیا گو کہ حب الٰہی کا تصور قرآن مجید میں موجود ہے اور اتباع رسول سے مشروط ہے مگر صوفیہ کے تجربات سے بعد کی صدیوں میں اس میں تنوعات پیدا ہوتے گئے تجربات سے مراد یہ ہے کہ صوفیہ ہمیشہ اس بات کی انتہائی کوشش کرتے تھے کہ وہ دنیا، اپنی زندگی اور زندگی کے ہنگاموں سے بے نیاز ہو جائیں اس لیے کہ یہ عالم نقص وقبح سے عبارت ہے اور ان کے نظریے کے مطابق اسے سنوارنے کی کوشش کے بجائے اللہ کی ذات سے اس درجہ وابستہ ہونے کی کوشش کی جائے کہ بشری اوصاف سے خالی ہو کر حق کے اوصاف میں داخل ہوا جا سکے اس لیے کہ حقیقی معرفت خالق اور مخلوق کے بیچ تباین (من و تو کا فرق) سے ممکن نہیں نیز عقل ناقص کامل معرفت کے حصول میں معاون نہیں ہو سکتی۔ کتاب اللمع فی التصوف کی عبارت ملاحظہ ہو: لما خلق الله العقل قال له: من أنا؟ فسكت، فكحله بنور الوحدانية فقال: أنت الله- فلم يكن للعقل أن يعرف الله إلا بالله ۔ [7]

یہ حدیث محدثین کی کسوٹی پر کھری نہیں اترتی، لیکن صوفیہ کے اس سلسلے میں ذرا غیر محتاط واقع ہوئے ہیں۔

مشاہدہ حق کی گفتگو ہو اور بادہ و ساغر کا تذکرہ نہ آئے تو بات بنتی نہیں، شعرا نے مشاہدہ حق اور اس راہ میں اپنے تجربات کو مختلف انداز سے باندھا ہے۔ ابن الفارض کی "التائية الكبرى" المعروف بنظم السلوك کو تصوف میں بڑی مقبولیت حاصل ہے التائیۃ الکبری کی روشنی میں ہم ابن الفارض کے صوفیانہ نظریات کا جائزہ لینے کی کوشش کریں گے۔ نفح الطیب کے مطابق ابن عربی نے ابن الفارض سے ''التائیۃ الکبریٰ'' کی شرح لکھنے کی درخواست کی تھی جس پر ابن الفارض نے کہا تھا کہ آپ کی ''فتوحات مکیہ'' اسی کی شرح ہے۔ [8]

ابن الفارض کی شاعری کا اکثر حصہ فلسفیانہ خیالات اخلاقیات حب الٰہی معرفت کے درجات و کمالات اور سلوک کے مراحل پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ بعض اوقات ایسے اشعار ملتے ہیں جنہیں ہم صوفیانہ رموز سے تعبیر نہیں کر سکتے بلکہ وہ خالص انسانی محبت کے جذبات کی ترجمانی ہوتے ہیں۔ ذیل کے اشعار میں وہ

---

[7] ابو نصر سراج الطوسی، کتاب اللمع فی التصوف، تحقیق رینالڈ آلین نکلسون، مطبوعہ لندن، لوزاك اینڈ کمپنی، ص ۳۳

[8] محمد مصطفیٰ حلمی، ابن الفارض والحب الالهی، الطبعة الثانية، دار المعارف، القاهرة، ص 43، ماخوذ عن نفح الطيب للمقری المجلد الاول طبع القاهرة ص ۱۰۰

محبوب کے گھر اور اپنے خیمے کے راستے میں رات کے وقت ملنے کی باتیں کرتے ہیں جہاں نہ کوئی لگائی بجھائی کرنے والا ہو یہ رقیب۔ محبوب سے اپنی پاکیزہ محبت کے ذکر کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب تک جی چاہتا تھا ہم ساتھ رہتے تھے میں خود کو بادشاہ اور زمانے کو اپنا غلام سمجھتا تھا۔

ولما تلاقينا عشاء وضمنا — سواء سبيلي دارها وخيامي
وملنا كذا شيئا عن الحي حيث لا — رقيب ولا واش بزور كلام
فرشت لها خدي وطاء على الثرى — فقالت لك البشرى بلثم لثامي
فما سمحت نفسي بذلك غيرة — على صونها مني لعز مرامي
وبتنا كما شاء اقتراحي على المنى — أرى الملك ملكي والزمان غلامي[9]

ابن الفارض اپنی شاعری میں محبوب کے لیے کبھی کبھی مذکر اور اکثر مؤنث کا صیغہ استعمال کرتے ہیں جس کی وجہ سے بہت اشتباہ ہوتا ہے مونث کے صیغے کی تاویل ''الذات الالٰہیہ'' سے کی جاسکتی ہے مگر کبھی کبھی یہ تاویل فٹ ہوتی نظر نہیں آتی کیونکہ ضمیر اچانک مؤنث سے مذکر ہو جاتی ہے:

وخلع عذاري فيكِ فرضي، وإن أبي اقـ — ـترابي قومي، والخلاعة سنتي
وليسوا بقومي ما استعابوا تهتكي — فأبدوا قلي، واستحسنوا فيكِ جفوتي
وأهلي في دين الهوى، أهله، وقد — رضوا الي عاري، واستطابوا فضيحتي[10]

مذکورہ بالا ابیات میں (والزمان غلامی) غلام کا لفظ عربی کے لحاظ سے محل نظر ہے لیکن اس بات سے قطع نظر کہ ابن الفارض کے دیوان میں کتنے اشعار خالص اس کے اپنے ذہن کی اپج ہیں اور کتنے بعد کی صدیوں میں ملائے گئے ہیں اس کے یہاں مضامین کا اتنا تنوع ہے کہ اسے خالص صوفی شاعر کہنا مشکل ہے کبھی اس کے یہاں اتصال کا رنگ جھلکتا ہے کبھی حب انسانی کی کارفرمائی نظر آتی ہے اور کہیں عقیدہ حلول سے برأت کا اظہار نظر آتا ہے اتصال کی مثال میں درج ذیل اشعار پیش کیے جاسکتے ہیں جس میں کہتے ہیں کہ مقام ابراہیم کے پاس ہم ایک دوسرے کے لیے نماز پڑھ رہے تھے جمع کی حالت میں ہم دونوں ایک ہو گئے تھے اور میری نماز کسی اور کے لیے نہیں میری اپنی ذات کے لیے تھی۔

---

[9] دیوان ابن الفارض، مكتبة القاهرة، القاهرة، ب۔ ت۔ ص۹۷

[10] حوالہ سابق، ص۲۸-۲۷

لها صلواتي بالمقام أقيمها وأشهد فيها أنها لي صلت

كلانا مصل واحد ساجد إلى حقيقته بالجمع في كل سجدة

وما كان لي صلى سواى ولم تكن صلاتي لغيري في أداء كل ركعة[11]

اسی مضمون کا شعر زرکلی نے بھی ابن حجر کے حوالے ابن الفارض کے تذکرے میں نقل کیا ہے:

وفي موقفي لا بل إلي توجهي

ولكن صلاتي لي ومني كعبتي[12]

ابن الفارض کی شاعری میں اتصال کی مثالیں جگہ جگہ ملتی ہیں اس کے علاوہ صوفیہ کے نظریات ملتے ہیں مثلاً کہیں وہ کہتے ہیں کہ دولت مندوں کو یہ مقام نہیں ملتا، کہیں راہ سلوک کے مسافروں کو زبان بندی کی تلقین کرتے ہیں کہیں نظریہ حلول سے اپنی برات کا اظہار کرتے ہیں۔ قیل و قال سے احتراز کی تلقین کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بڑے بڑے زبان داں اس کے راز سے پردہ ہٹانے سے قاصر ہیں:

وعادد واعي القيل والقال، وانج من عوادي دعاو صدقها قصد سمعة

فألسن من يدعى بألسن عارف وقد عبرت كل العبارات، كلت[13]

فقر اور حب الٰہی کے سلسلے میں کہتے ہیں:

وأقبل إليها وانحها مفلسا، فقد وصيت لنصحي، إن قبلت نصيحتي

فلم يدن منها موسر باجتهاده وعنها به لم ينأ مؤثر عسرة

بذاك جرى شرط الهوى بين أهله وطائفة، بالعهد، أوفت فوفت

متى عصفت ريح الولا قصفت أخا غناء، ولو بالفقر هبت لربت[14]

اتصال کے بہت سے اشعار ابن العربی کے یہاں پائے جاتے ہیں وہ کہیں کہیں اس بات کی وضاحت بھی کرتے جاتے ہیں کہ لاہوت سے اتصال کی صورت میں بھی میرا ناسوتی وجود اور شعور مجھ سے جدا نہیں ہوتا:

---

[11] حوالہ سابق، ص ۳۲

[12] خير الدين الزركلي، الاعلام، المجلد الخامس، ص ۵۶

[13] ديوان ابن الفارض، مكتبة القاهرة، ص ۳۴

[14] حوالہ سابق۔

ولم أله باللاهوت عن حكم مظهري ولم أنس بالناسوت مظهر حكمتي[15]

اسی اتصال کی کیفیت میں ایک جگہ کہتے ہیں:

وقد جاءني مني رسول، عليه ما عنت، عزيز لي، حريص لرأفة
فحكمي من نفسي عليها قضية ولما تولت أمرها ما تولت[16]

شنکر اچاریہ بھی یہی کہتے ہیں کہ انسان کو یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ اس کی خارجی شخصیت جو پیدا ہوتی، کھاتی پیتی اور مرتی ہے وہ درحقیقت کوئی قابل ذکر شخصیت نہیں اس کے وجود میں قابل غور جو چیز ہے وہ ''حقیقت الٰہیہ'' ہے لہذا سچی بات یہ ہے کہ تم انسان اور معبود ہو، تم ہی خالق اور مخلوق ہو عابد اور معبود ہو نیز یہ کہ انسان ''برہما'' تک نہیں پہنچ سکتا جب تک اسے معرفت کاملہ نیز تمام مادی علائق سے نجات نہ مل جائے۔[17]

ابن الفارض ایک جگہ کہتے ہیں کہ محویت کے عالم سے حالت صحو میں واپس آتا ہوں تب بھی اپنی اصل پر نہیں لوٹتا بلکہ میرا وجود اس کے وجود سے روشن رہتا ہے:

ففي الصحو بعد المحو لم أك غيرها وذاتي بذاتي إذ تحلت تجلت[18]

دوسری جگہ ابن الفارض صحو اور جمع کو یکجا کرتے ہیں جب کہ دونوں دو کیفیتیں ہیں اور کہتے ہیں کہ میں بھی انسان ہوں مگر مجھے صحو الجمع کی کیفیت حاصل ہے، میں سننے میں کلیم اللہ اور دل کی بیداری میں احمد ہوں، اور کائنات میں پھیلا ہوا حسن میرا فیض ہے۔

وكل الورى أبناء آدم غير حوز ي صحو الجمع من بين إخوتي
فسمعي كليمي وقلبي منبأ بأحمد رؤيا مقلة أحمدية
وروحي للأرواح روح وكل ما ترى حسنا في الكون من فيض طينتي[19]

---

[15] حوالہ سابق، ص ۵۰

[16] حوالہ سابق۔

[17] محمد ضياء الرحمٰن الاعظمی، دراسات في اليهودية والمسيحية وأديان الهند، مكتبة الرشد، الطبعة الثانية، الرياض، ص ۵۵۹-۵۵۸

[18] ديوان ابن الفارض، مكتبة القاهرة، ص ۳۶

[19] حوالہ سابق، ص ۴۱

حلول کے سلسلے میں ابن الفارض کی رائے بڑی سخت ہے اور اس کے لیے وہ جبرئیلؑ اور دحیہ کلبی کی مثال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر حلول ممکن ہوتا تو ایک ہی شخص دو لوگوں کو الگ الگ کیسے نظر آسکتا تھا یعنی نبی اسے فرشتہ سمجھ رہے ہیں اور اسی محفل میں موجود اصحاب اسے انسان سمجھ رہے ہیں، ان دونوں روایتوں میں سے ''اتم الرؤیتین'' یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہ ایک وجود دوسرے وجود میں حلول نہیں کر سکتا اور میرے نظریے میں قرآن وسنت سے انحراف نہیں ہے:

وها دحية، وافى الأمين نبينا	بصورته في بدء وحي النبوة
أجبريل قل لي: كان دحية إذ بدا	لمهدي الهدى، في هيئة بشرية
وفي علمه عن حاضريه مزية	بماهية المرئي من غير مرية
يرى ملكا يوحي إليه وغيره	يرى رجلا يدعى إليه بصحبة
ولي من أتم الرؤيتين إشارة	تنزه عن رأي الحلول عقيدتي
وفي الذكر ذكر اللبس ليس بمنكر	ولم أعد عن حكمي كتاب وسنة[20]

اس واقعے سے یہ بھی ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جبرئیلؑ دحیہ کلبی کی صورت میں آئے مگر وہ دحیہ کلبی نہیں تھے دیکھنے والوں کو وہ دحیہ یعنی انسان نظر آئے اور صاحب اتم الرؤیتین کو وہ فرشتہ نظر آئے لہٰذا ہم اس کو نہ اتحاد کہہ سکتے ہیں اور نہ حلول کہہ سکتے ہیں بالکل یہی مثال خدائی مظہر کی ہے جو تمام موجودات میں پایا جاتا ہے جو شخص پہچان لیتا ہے وہ پہچان لیتا ہے اور جو قاصر رہتا ہے وہ انکار کر دیتا ہے۔

اپنے اسی دیوان میں ابن الفارض ایک موقعے پر زمانی ترتیب کے ساتھ انبیاء صحابہ اور اولیاء کے تذکرے کے بعد خود کا ذکر کرتے ہیں اور کو ساری شریعتوں کا خاتم قرار دیتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں کہ مانعین زکوٰۃ کے خلاف حضرت ابوبکرؓ کی جنگ، حضرت عمرؓ کی صدائے یاساری الجبل، موت کے سائے میں حضرت عثمانؓ کا ورد اور حضرت علیؓ کی تاویلات سب دین حنیف کی مدد کی قبیل سے آتی ہیں۔ یہ سب لوگ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے کسی کی بھی پیروی راہ ہدایت ہے اس میں میری حیثیت میری پدریت پر شاہد ہے میرا نفس تجلی کی گود میں پلا بڑھا اور اسی سے روشن ہے انبیا میرا گروہ ہیں اور میرے عناصر میں لوح محفوظ اور فتح میری

---

[20] حوالہ سابق، ص ۳۹-۴۰

سورہ ہے دودھ چھوڑنے سے پہلے ہی میں نے اپنی واضح شریعت سے ساری شریعتوں کو منسوخ کر دیا تھا:

فمن نصرة الدين الحنيفي بعده ... قتال أبي بكر، لآل حنيفة

وسارية ألجأه للجبل النداء ... من عمر والدار غير قريبة

ولم يشتغل عثمان عن ورده وقد ... أدار عليه القوم كأس المنية

وأوضح بالتاويل ما كان مشكلا ... علي بعلم ناله بالوصية

وسائرهم مثل النجوم من اقتدى ... بأيهم منهم اهتدى بالنصيحة

وإني وإن كنت ابن آدم صورة ... فلي فيه معنى شاهد بأبوتي

ونفسي على حجر التجلي برشدها ... تجلت وفي حجر التجلي تربت

وفي المهد حزبي الأنبياء وفي عنا ... صري لوح المحفوظ والفتح سورتي

وقبل فصالي دون تكليف ظاهري ... ختمت بشرعي الموضحي كل شرعة[21]

ان اشعار سے پہلے ابن الفارض نے انبیاء عظام کے ناموں کے ساتھ ساتھ ان کے کارناموں یا معجزوں کا ذکر کیا ہے۔ ''شاهد بأبوتي'' کے ٹکڑے کو نگاہ میں رکھ کر تصوف کے فلسفے پر غور کیا جائے، لاموجود الا اللہ اور حقیقت محمدیؐ کو نظر میں رکھا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ ابن الفارض کے فلسفے میں یہ ساری شخصیتیں در حقیقت ایک ہی ہیں معجزات کا مصدر ایک ہے رشد و ہدایت کا منبع ایک ہے اسی دیوان میں وہ اس کا اظہار بھی کرتے ہیں:

وكل الذي شاهدته فعل واحد ... بمفرده لكن بحب الأكنة

إذا ما أزال الستر لم تر غيره ... ولم يبق بالأشكال إشكال ريبة[22]

جو کچھ نظر آتا ہے وہ ایک ہی ذات کا کارنامہ ہے مگر وہ پردے سے باہر نہیں آنا چاہتا، پردہ ہٹے گا تو نہ کوئی اور نظر آئے گا اور نہ شک کی کوئی گنجائش رہ جائے گی۔

اسی سرچشمے کی یکتائی کو مختلف پیرائے سے ثابت کرتے کرتے وہ اس حد تک چلے جاتے ہیں کہ مختلف ادیان (حتیٰ کہ ان کی بگڑی ہوئی صورت) کے طریقہائے عبادت کو ایک ہی ذات کی عبادت تصور کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ زنار میرے ہی ہاتھوں نے باندھا مسجد میں قرآن ہو یا ہیکل میں انجیل ہو یا موسیٰ کی توریت ہو، کوئی

---

[21] حوالہ سابق، ص ۶۰

[22] حوالہ سابق، ص ۶۵

پتھروں کی پوجا کرنے والا ہو یا ہزار سال سے مسلسل جل رہی آگ کا پجاری ہو ان سب کا ارادہ مجھے اپنا مطلوب بنانے کا نہیں تھا اس کے باوجود میں ہی ان کا مقصود تھا انھوں نے میرے نور کو نار سمجھ لیا، اور راہِ ہدایت میں شعاعوں کی وجہ سے گمراہ ہو گئے:

وما عقد الزنار حکما سوی یدی — وإن حل بالإقرار بی فھی حلت

وإن نار بالتنزیل محراب مسجد — فما بار بالإنجیل ھیکل بیعة

وأسفاہ توراۃ الکلیم لقومه — یناجی بھا الأحبار فی کل لیلة

وإن خر للأحجار فی البد عاکف — فلا وجه للإنکار بالعصبة

وإن عبد النار المجوس وما انطفت — کما جاء فی الإخبار فی ألف حجة

فما قصدوا غیری وإن کان قصدھم — سوای وإن لم یظھروا عقد نیتی

رأوا ضوء نوری مرۃ فتوھموا — ہ نارا فضلوا فی الھدی بالأشعة[23]

توحید کے تعلق سے ابن الفارض کی رائے وہی ہے جو عبد اللہ الانصاری اور امام الغزالی کی ہے یعنی توحید پر انسان قائم رہ ہی نہیں سکتا۔ توحید کا انتہائی درجہ یہ ہے کہ انسان ملحد ہو جائے اس لیے کہ توحید کا مسئلہ حل ہی نہیں ہو سکتا۔ ایک مرحلے میں پہنچ کر توحید اور الحاد ایک ہو جاتے ہیں:

ولو أننی وحدت ألحدت وانسلخ — ت من أی جمعی مشرکا بی صنعتی

ولست ملوکا أن أبث مواھبی — وامنح اتباعی جزیل عطیتی[24]

اسی نتیجے پر عبد اللہ الانصاری الہروی بھی پہنچتے ہیں۔ توحید کی تین قسمیں کر کے وہ تیسری قسم کے بارے میں لکھتے ہیں کہ تیسری قسم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے مختص کر رکھا ہے اور وہی اپنی توحید کا حق ادا کر سکتا ہے، اس کے بعض بندے اس کے اسرار کو پا تو لیتے ہیں مگر وہ انہیں بیان نہیں کر سکتے۔[25]

ما وحد الواحد من واحد — إذ کل من وحدہ جاحد

---

[23] حوالہ سابق، ص ۶۶-۶۷

[24] حوالہ سابق، ص ۶۷-۶۸

[25] عبد اللہ الانصاری الھروی، منازل السائرین، دار الکتب العلمیة، بیروت، ۱۹۸۸، ص ۱۳۸

توحید من ینطق عن نعته عاریة أبطلها الواحد

توحیده إیاه توحیده ونعت من ینعته لاحد

چونکہ تصوف ایک خالص فلسفیانہ مسئلہ ہے اس لیے صوفیہ کے یہاں اختلاف بہت پایا جاتا ہے سب کا اپنا اپنا تجربہ ہوتا ہے جسے وہ بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔اس کا ایمانیات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

26حوالہ سابق، ص ۱۳۹

برصغیر کی ہند آریائی زبانیں اور ان کا سلسلۂ نسب

ڈاکٹر محمد شمشیر علی

شعبۂ اُردو، علیگڑھ مسلم یونیورسٹی

mdshamsheralig@gmail.com

انسان حیوان سے اگر کوئی چیز متمیز کرتی ہے تو وہ ''زبان'' ہے۔ انسان ''حیوان'' ہے اور دیگر چلنے پھرنے والی مخلوقات بھی حیوان ہیں۔ مگر انسان اور دیگر حیوان میں جو وصف امتیاز ہے وہ زبان ہی ہے، اسی وجہ سے انسان کو ''حیوان ناطق''، یعنی بولنے والا حیوان کہا گیا ہے۔ زبان اور زبان دانی ہی وہ وصف ہے جس سے انسان رابطے کا کام لیتا ہے۔ زبان ہی وہ شے ہے جس سے انبیا و رسل، صوفیہ اور سنتوں نے رشد و ہدایت کے کام لیے، اور اسی زبان کو ہدایت دینے والی ذات مقدس و یکتا نے ہدایت کا ذریعہ بنایا اور زبان ہی میں وقفے وقفے سے آسمانی کتب و صحائف نازل کرتا رہا۔ اسی زبان میں دنیا کی تمام مذاہب کی مقدس کتابیں تحریر ہوئیں چاہے وہ تورات، انجیل، زبور اور قرآن ہوں یا وید، اپنشد رامائن، مہابھارت، بھگوت گیتا، اور دوسرے گرنتھ ہوں۔ زبان کی اہمیت اور غرض و غایت کسی سے مخفی نہیں ہے۔ اسی سے دلبری اور دل شکنی دونوں کا کام لیا جاتا ہے۔ یہ زبان ہی ہے جو بعض انسانوں کے مراتب جلیلہ کے حصول کا ذریعہ بنتی ہے اور بعضوں کے ذلیل و خوار ہونے کا بھی۔

اربوں کی آبادی والی اس دنیا میں جس طرح انسان کے مختلف رنگ و نسل، تہذیب و تمدن، مذہب اور مسلک پائے جاتے ہیں، اسی طرح علاقے اور خطے کے اعتبار سے انسان کی زبانیں بھی مختلف ہیں۔ فرمان باری تعالی ہے (ترجمہ) : ''اور اس کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق اور تمہاری زبانوں اور رنگتوں کا اختلاف، بیشک اس میں نشانیاں ہیں جاننے والوں کے لیے''۔[1]

اللہ تعالی نے انسانوں کو مختلف قبائل، خاندان اور علاقوں میں اس لیے پیدا کیا تا کہ انھیں ایک دوسرے

---

[1] سورۃ الروم، آیت: ۲۲

سے تعارف ورابطہ کرنے میں سہولت ہو، نہ کہ وہ علاقے، خاندان، حسب ونسب اور زبان کی بنیاد پر فخر کریں کیونکہ نسب کے انتہائی درجے پر تمام انسان ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں تو پھر تفاخر و تفاضل کی کوئی وجہ نہیں۔ سب برابر ہیں اور سب ایک ہی جد اعلی کی اولاد ہیں۔ تکریم و عزو شرف تو اللہ کے نزدیک صرف پرہیزگاروں اور تقوی والوں کے لیے ہے۔ اللہ تعالی نے ہی انسان کے مختلف رنگ و نسل اور مختلف زبانیں پیدا کیں، اور انھیں اپنی ''نشانیاں'' قرار دیا ہے، تو پھر ہم کون ہوتے ہیں کہ زبان یا رنگ و نسل کی بنا پر تفوق اور تفاخر کا دعوی کریں۔

ایک اندازے کے مطابق دنیا بھر میں تقریباً آٹھ یا نو سو زبانیں بولی جاتی ہیں۔ ان زبانوں یا بولیوں کو ان کی ساخت، باہمی رشتوں اور پیدائش کی بنیاد پر چند لسانی خاندانوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

> ایک ممتاز امریکی ماہر لسانیات ونفرڈ پی۔ لہمن Winfred P. Lehmann نے دنیا میں بولی جانے والی تمام زبانوں کی نسلی بنیادوں پر درجہ بندی کی ہے اور انھیں سات لسانی خاندانوں میں تقسیم کیا ہے جو یہ ہیں:
>
> (۱) ہندیورپی (Indo-European) (۲) افریقی ایشیائی (Afro-Asiatic) (۳) چینی تبتی (Sino-Tibetan) (۴) الطائی (Altaic) (۵) دراویدی (Dravidian) (۶) آسٹرو ایشیائی (Austro-Asiatic) (۷) فنویوگرک (Finno-Ugric)۔[2]

جہاں تک برصغیر کی بات ہے تو یہاں زبانوں کے چار خاندان پائے جاتے ہیں:

> لسانیات میں برصغیر ہند کی زبانوں کا ایک ساتھ مطالعہ کیا جاتا ہے، اس برصغیر میں زبانوں کے چار خاندان پائے جاتے ہیں: ہندیورپی، دراوڑی، تبت چینی اور آسٹر وایشیائی۔[3]

ہندوستان میں۔''ہندیورپی'' زبانوں کا سلسلہ تقریباً ۳۵۰۰ق م سے ملتا ہے۔ دنیا میں جتنی بھی زبانیں بولی جاتی ہیں ان سب کا کوئی نہ کوئی لسانی خاندان ہے۔ ان سب لسانی خاندانوں میں جو سب سے زیادہ اہم ہے وہ ہندیورپی ہے۔

---

[2] مرزا خلیل احمد بیگ، اردو کی لسانی تشکیل، ص ۱۲

[3] گیان چند جین، عام لسانیات، ص ۸۳۹

ایشیا، افریقہ، آسٹریلیا، امریکہ اور یورپ وغیرہ میں سب سے زیادہ اسی ’ہندیورپی‘ خاندان کی زبانوں کا چلن ہے حالانکہ اس کے علاوہ بعض دوسرے لسانی خاندان بھی ہیں جیسے عبرانی، عربی، سبائی، الطائی (ترکی زبانیں)، آسٹرو ایشیائی، سامی اور دراوڑی (تامل، ملیالم، کنڑ، تلگو، گونڈی وغیرہ)۔ سنیتی کمار چٹرجی لکھتے ہیں:

یورپ، ایشیا، افریقہ، اسٹریلیا، اوشیانیا اور امریکہ میں جن لسانی خاندانوں کی زبانیں اور بولیاں بولی جاتی ہیں، ان میں ہندیوروپی سب سے زیادہ اہم ہے۔ کرۂ ارض پر لوگوں کی سب سے زیادہ تعداد اسی کے حلقۂ اثر میں ہے۔[4]

’ہندیورپی خاندان‘ کی دیگر شاخوں کا ذکر کرتے ہوئے مرزا خلیل احمد بیگ لکھتے ہیں:

ہندیورپی خاندانِ السنہ : ہندیورپی خاندان السنہ دنیا کا سب سے بڑا اور اہم لسانی خاندان ہے۔ اس میں شامل زبانیں روس اور یورپ کے تقریباً سبھی ممالک میں بولی جانے کے علاوہ ہندوستان، پاکستان، ایران، افغانستان، بنگلہ دیش، سری لنکا اور نیپال میں بھی بولی جاتی ہیں۔ ہندیورپی خاندان السنہ کی حسب ذیل گیارہ شاخیں ہیں:

(۱) کلٹک (Celtic) (۲) جرمانک (Germanic) (۳) لاطینی (Latin) (۴) یونانی (Greek) (۵) البانی (Albanian) (۶) بالٹک (Baltic) (۷) سلاوی (Slavic) (۸) اناطولیائی (Anatolian) (۹) ارمینیائی (Arminian) (۱۰) ہند ایرانی (Indo-Iranian) (۱۱) ایرانی، انڈک ہندآریائی (Indo-Aryan) (۱۲) تخاری (Tocharian)

انڈک یا ہندآریائی، ہندیورپی خاندان السنہ کی ایک نہایت اہم شاخ ہے جس کا ارتقا ہندوستان میں ہوا۔ اس میں شامل زبانیں پورے شمالی ہندوستان میں مغرب تا مشرق، نیز جنوبی ہند کے بعض علاقوں میں بولی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ پاکستان، بنگلہ دیش، سری لنکا اور نیپال میں بھی ہندآریائی زبانوں کا چلن ہے۔ ہندآریائی زبانوں کے بولنے والے آریا قوم کے لوگ ہیں جن کی تاریخ ساڑھے تین ہزار سال پرانی ہے۔ اردو زبان کا تعلق اسی ’ہندآریائی‘ خاندان سے

---

4 سنیتی کمار چٹرجی، ہندآریائی اور ہندی، ص ۱۰

ہے۔[5]

ہندیورپی زبانیں ترقی کرتی گئی ہیں۔ ۲۰۰۰/ق م کے آس پاس وجود میں آنے والی زبان کو ''ہندایرانی'' کانام دیا گیاہے۔ برصغیر ہند کے تینوں ملکوں میں زبانوں کے لسانی رشتے کی صورت حال کے متعلق گیان چند جین لکھتے ہیں:

> تینوں ملکوں (ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش) میں صورت حال یہ ہے :
>
> پاکستان: ہندیورپی (ہندآریائی، دردی اور ایرانی)، دراوڑی۔
>
> ہندوستان: ہندیورپی (ہندآریائی، اور دردی)، تبت چینی، آسٹر وایشیائی، دراوڑی۔
>
> بنگلہ دیش: ہندیورپی، تبت چینی۔[6]

ہندوستان میں آریوں کی آمد اور ہند ایرانی کی شکلیں: ہندوستان میں آریوں کی آمد ۱۵۰۰ق۔م ہوئی۔ اکثر علمائے لسانیات کا تقریباً یہی موقف ہے۔ لہذا اسی زمانے کو 'ہندآریائی زبان وادب' کے آغاز کا زمانہ بھی کہا جاتا ہے۔ معروف ماہر لسانیات سُنیتی کمار چٹرجی لکھتے ہیں:

> ہندوستان میں آریوں کی آمد کی متعین تاریخ بتانا ناممکن ہے۔ آریوں کے پہلے گروہوں کی پنجاب میں آمد کا زمانہ ۱۵۰۰ق۔م کے قریب کہہ سکتے ہیں۔ وہ اپنی آریائی زبان بولتے تھے اور دیوتاؤں کے بھجن اور اپنے سورماؤں کی تعریف کے گیت اسی زبان میں گاتے تھے۔ یہی ہندآریائی زبان وادب کی تاریخ کا نقطۂ آغاز ہے۔[7]

ہندوستان میں آریوں کی آمد کے بعد دھیرے دھیرے ''ہندایرانی'' کی تین شکلیں ہوگئیں: (۱) ایرانی زبان (۲) پیشاچی زبان (۳) ہندآریائی۔ سُنیتی کمار چٹرجی لکھتے ہیں:

---

[5] مرزا خلیل احمد بیگ، اردو کی لسانی تشکیل، ص ۱۴، ۱۵

[6] گیان چند جین، عام لسانیات، ص ۸۳۹

[7] سُنیتی کمار چٹرجی، ہندآریائی اور ہندی، ص ۲۳

ہندوستان میں آریائی زبان کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ہندوستان میں ہی اس کا ارتقا مسلسل تین ہزار پانچ سو سال سے جاری ہے... ۳۰۰۰یا۳۵۰۰ق۔م سے آج تک ہندوستان کی آریائی زبان کے ارتقا کے واضح خطوط کا تعین ہندیوروپی، ہندایرانی اور ہندآریائی کی مختلف منازل پر کیا جاسکتا ہے... ان میں سے آخری دور کے ارتقا کو آسانی کے لیے ہم سنسکرت، پراکرت اور بھاشا بھی کہہ سکتے ہیں۔[8]

۱۔ ایرانی زبان: ہندایرانی زبان بولنے والوں کا جو گروہ ایران میں مقیم ہوا، اس کی زبان کو ''ایرانی زبان'' کہا گیا۔

۲۔پیشاچی زبان: ہندایرانی کا جو گروہ کشمیر اور اس کے اطراف میں آباد ہوا اس نے ''پیشاچی زبان'' ایجاد کی۔

۳۔ ہندآریائی: جب آریائی ہندوستان آئے تو آریائی زبان اور ہندوستان کی مقامی بولیوں کے امتزاج نے ''ہندآریائی'' کو جنم دیا۔

''ہندآریائی'' کو آسانی کے لیے تین ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے:

آریائی زبانیں ۱۵۰۰ق م۔تا۔ ۶۰۰ق م تک مختلف زبانوں اور اپنی ذیلی شاخوں کی صورت میں گندھار (موجودہ سندھ اور راولپنڈی) سے مگدھ تک اور ہمالہ کی ترائی سے وسطی ہند کے جنگلوں تک اور بحر عرب سے لے کر گجرات تک پھیل گئی تھیں۔ پھر اس کی مختلف شاخوں میں برتری کی لڑائیاں شروع ہوئیں اور بالآخر 'کھڑی بولی' نے اپنی مقبولیت وسعت اور بولنے والوں کی کثرت کی وجہ سے اپنی تمام خواہر نسبتی پر سبقت لے گئی۔

''ہندآریائی'' اور اس کی ذیلی شاخوں کو سمجھنے کے لیے ہم اسے ۱۵۰۰ق م سے تاحال تین ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں:

دوراول: قدیم ہندآریائی عہد (۱۵۰۰ق۔م تا ۵۰۰ق م)

دوردوم: وسطی ہندآریائی عہد (۵۰۰ق۔م تا ۱۰۰۰عیسوی)

---

[8] ماخذ سابق، ص۹

دور سوم: جدید ہند آریائی عہد (۱۰۰۰عیسوی تاحال)

قدیم ہندآریائی (عہد ویدک): قدیم ہند آریائی دور کو 'ویدک عہد' بھی کہا جاتا ہے۔ یہ دور تقریباً ۱۵۰۰/ق م تا ۵۰۰/ق م یعنی ایک ہزار سال قائم رہا۔ یہ دور آریوں کی قدیم زبان سنسکرت کی نمائندگی کرتا ہے۔ اسی دور میں سنسکرت کو ترقی ملی۔ اس دور کے بھی دو دور ہیں: ایک قدیم سنسکرت ہے جسے "ویدک سنسکرت" کہتے ہیں اور دوسری "کلاسیکی سنسکرت" ہے۔

(۱) ویدک سنسکرت کا عہد: ۱۵۰۰/ ق۔م تا ۱۰۰۰/ق۔م۔ اس عہد کے ویدک سنسکرت کی نمائندہ چاروں وید یہ ہیں: رگ وید، سام وید، یجر وید، اتھر وید۔

قدیم ہند آریائی عہد کے متعلق گیان چند جین لکھتے ہیں:

> قدیم ہند آریائی: دوسرے دور کی زبان کو عوامی (لولک) سنسکرت یا کلاسکل سنسکرت کہتے ہیں۔ کبھی کبھی سنسکرت کا اطلاق دونوں پر ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ویدک زبان سنسکرت کی قدیم شکل ہے، علاحدہ زبان نہیں۔[9]

(۲) کلاسیکی سنسکرت کا عہد: ۱۰۰۰/ق۔م تا ۵۰۰/ق۔م۔ اس کلاسیکی سنسکرت کی نمائندہ کتابیں مہابھارت اور رامائن ہیں۔

سنسکرت زبان میں جب علاقائی بولیاں نفوذ کرنے لگیں تو اس کی تین شکلیں وجود میں آئیں: (۱) اُدیچہ (۲) پراچیہ (۳) مدھیہ دیشہ۔ اس کے بارے میں گیان چند جین کہتے ہیں:

> کلاسکی سنسکرت بعد کے برہمنوں، اپنشدوں نیز رامائن اور مہابھارت کی زبان ہے، لیکن خیال کیا جاتا ہے کہ اس وقت کم سے کم تین اور شاید چار بولیاں مختلف علاقوں میں رائج رہی ہوں گی۔ اُن کے نام یہ ہیں: ادیچہ (شمالی) (۲) مدھیہ دیشہ (۳) پراچیہ (مشرقی)۔[10]

---

[9] گیان چند جین، عام لسانیات: ص ۸۴۱

[10] ماخذ سابق، ص ۸۴۲

اُدیچہ: ادیچہ اپنی دونوں ہم عصر زبانوں (مدھیہ دیشہ اور پراچیہ) کے مقابل زیادہ شستہ اور ادبی تھی۔ اس زمانے میں یہ زبان دانشوروں اور اعلی طبقے کی زبان مانی جاتی تھی۔ نیز لوگ اسے سیکھنے کے لیے ادیچہ کے علاقوں میں جاتے تھے اور ادیچہ بولنے والوں کی زبان بہت شوق سے سنتے تھے۔ اس کا علاقہ صوبہ سرحد اور شمالی پنجاب تھا:

> اس زمانہ میں شمالی ہندوستان میں...ادیچہ کا علاقہ (جو آج کے شمالی مغربی سرحدی صوبہ اور شمالی پنجاب کے مطابق ہے) کی زبان کی بڑی مان دان تھی۔[11]

پراچیہ: اس زمانے میں یہ زبان موجودہ مشرقی اتر پردیش اور بہار کے (موجودہ مشرقی یوپی) کے سرحدی علاقوں میں بولی جاتی تھی۔ ادیچہ اور مدھیہ دیشہ کے مقابلے میں یہ پست زبان تھی۔ یعنی اس زبان کے بولنے والے خانہ بدوش قبائل کے لوگ تھے جنھیں سماج میں کم رتبہ مانا جاتا تھا:

> پراچیہ کی بولی اس علاقے میں رائج تھی جسے آج اودھ یا مشرقی اتر پردیش کہا جاتا ہے... یہ لوگ آریائی بولنے والے خانہ بوش قبائل تھے۔ وہ ویدی آتش پرستی اور برہمنی سماجی اور مذہبی نظام سے کوئی سروکار نہ رکھتے تھے۔[12]

مدھیہ دیشہ: یہ زبان اپنی بہن ادیچہ کی طرح نہ تو بہت ہی معیاری تھی اور نہ ہی پراچیہ کی طرح بالکل غیر معیاری۔ اس کے بولنے والے نہ ہی بہت اعلی طبقے کے لوگ تھے اور نہ ہی بالکل ادنی درجے کے۔ یہ وسط ہند کے متوسط طبقے کی متوسط درجے کی زبان تھی۔ اس کا علاقہ وہی تھا جہاں آج اردو اور ہندی خوب بولی اور لکھی جاتی ہیں:

> مدھیہ دیشہ کا خاص علاقہ وہ تھا جہاں آج کل مغربی ہندی کی بولیاں بولی جاتی ہیں، اور جہاں اردو اور

---

[11] سُنیتی کمار چٹرجی، ہند آریائی اور ہندی: ص ۵۷

[12] ماخذ سابق، ص ۵۸

ہندی کا چلن عام ہے۔ لیکن موٹے طور پر انبالہ سے الہ آباد تک کا علاقہ مدھیہ دیشہ کہلاتا ہے۔[13]

وسطی ہند آریائی عہد (۵۰۰ءق م تا ۱۰۰۰ عیسوی)

سنہ ۵۰۰ ق۔م آتے آتے سنسکرت زبان وادب عوام کی دسترس سے دور ہوتی چلی گئی کیونکہ پاننی (سنسکرت قواعد نویس) نے سنسکرت زبان وادب کے لیے قواعد کی پابندیاں کردیں۔اس کے علاوہ اس زبان پر برہمنوں کی اجارہ داری اور مذہبی سختی بھی اس کی عوام سے دوری کی ایک اہم وجہ بنی۔ لہذا عوام سنسکرت کے بجائے عام بولی کی طرف مائل ہوگئے۔اس طرح سنسکرت کے زوال پذیر ہونے کے بعد 'پراکرت' وجود میں آئی۔ پراکرت کی بھی اپنے ۱۵۰۰ء سوسالہ عہد میں تین شکلیں بنتی ہیں۔

آسانی کے لیے پراکرت کو تین ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے: (۱) پالی (۲) پراکرت (۳) اپ بھرنش۔

عہد اول: پالی (۵۰۰ءق م تا مولد مسیح)

پالی زبان کو پہلی پراکرت بھی کہتے ہیں۔اشوک کے کتبے اسی زبان میں ملتے ہیں۔ مہاتما گوتم بدھ بھی پالی بولتے تھے اور اسی زبان میں اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے تھے۔ بدھ مذہب کے مقدس صحیفے بھی اسی زبان میں ہیں۔ یہ ایک ادبی زبان تھی جو وسطی ہند میں رائج تھی:

> پالی ایک ایسی قدیم آریائی بولی تھی جس میں بودھی صحیفے مہاتما بدھ کی اپنی مشرقی بولی سے ترجمہ کیے گئے۔اس پالی کو غلطی سے مگدھ یا جنوبی بہار کی قدیم زبان تصور کیا جاتا ہے۔اس کے برخلاف یہ وسطی علاقہ (متھرا سے اجین تک) کی بولیوں پر مبنی ادبی زبان تھی۔[14]

---

13 مرزا خلیل احمد بیگ، اردو کی لسانی تشکیل: ص ۱۸

14 سُنیتی کمار چٹرجی، ہند آریائی اور ہندی: ص ۱۵۵

عہد دوم: پراکرت (مولد مسیح تا ۵۰۰ عیسوی)

پالی کے زوال پذیر ہونے کے بعد پراکرت کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ اس عہد میں پراکرتوں کی پانچ شکلیں وجود میں آتی ہیں: (۱) شورسینی پراکرت (۲) ماگدھی پراکرت (۳) اردھ ماگدھی پراکرت (۴) مہاراشٹری پراکرت (۵) پیشاچی پراکرت

۱۔ شورسینی پراکرت: پراکرت کے دوسرے دور کی یہ اہم زبان تھی۔ یہ متھرا اور اس کے ارد گرد کے علاقوں کی بولی تھی۔ جین مذہب کی مقدس کتابیں بھی اسی زبان میں لکھی گئیں۔ اس زبان پر سنسکرت کا گہرا اثر تھا:

> شورسینی: یہ مدھیہ دیش کی پراکرت ہے گو اس کا مرکز "شورسین" یعنی متھرا کا علاقہ تھا۔ اس کے قدیم ترین نمونے اشوگھوش کے سنسکرت کے ناٹکوں میں ہیں۔ اس میں دگمبر جینیوں کی مذہبی کتابیں بھی ہیں۔[15]

۲۔ ماگدھی پراکرت: پراکرت کے دوسرے دور کی یہ مشرقی ہند کی بولی تھی جو جنوبی بہار یعنی آج کے مگدھ کے علاقے میں بولی جاتی تھی۔ اس پر غیر آریائی بولیوں کا بھی کافی اثر تھا:

> ماگدھی یہ پورے مشرقی ہندوستان کی بولی تھی گو اس کا مرکز مگدھ یعنی جنوبی بہار تھا۔ چونکہ یہ آریوں کے مرکز سے دور ہٹی ہوئی تھی اس لیے اس پر غیر آریائی بولیوں کا شدید اثر ہے۔[16]

۳۔ اردھ ماگدھی پراکرت: اس کے لغوی معنی آدھی ماگدھی کے ہیں۔ لسانی اعتبار سے اس کا علاقہ شورسینی اور ماگدھی کے بیچ کا تھا جسے اب اودھ یا مشرقی اترپردیش کا علاقہ کہا جاتا ہے۔

۴۔ مہاراسٹری پراکرت: یہ زبان مہاراشٹر کے علاقوں میں رائج تھی اور معیاری پراکرت میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ یہ پراکرت تمام ادبی پراکرتوں میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ سمجھی جاتی تھی۔ من موہن گھوش کے حوالے سے گیان چند جین کہتے ہیں کہ "مہاراشٹری پراکرت شورسینی کی بعد کی شاخ ہے جو شمال سے دکن

---

[15] گیان چند جین، عام لسانیات: ص ۸۴۹

[16] ماخذ سابق، ص ۸۵۱

چلی گئی''۔

۵۔ پیشاچی پراکرت: اس زبان کے علاقے کشمیر اور پنجاب تھے۔ ماہرین لسانیات کے مطابق اس میں ادبی تصانیف کا فقدان تھا نیز یہ خالص ہند آریائی نہیں بلکہ اس میں بعض غیر آریائی زبانیں بھی نفوذ کر گئی تھیں۔ گیان چند جین لکھتے ہیں:

> مہابھارت میں ایک پشاچ قوم کا ذکر ہے۔ یہ شمال مشرق میں کشمیر اور اس کے آس پاس تھی... پشاچ کے معنی ہیں 'مردم خور' یا 'کچا گوشت کھانے والا' بھی، بتائے گئے ہیں۔ گریرسن لکھتا ہے کہ پشاچی عام معنی میں پراکرت نہیں یہ سنسکرت کی ہم عصر ایک قدیم بولی ہے... یہ بول چال کی پست زبان رہی۔ [17]

عہد سوم: اپ بھرنش (۵۰۰ء تا ۱۰۰۰ء)

'اپ بھرنش' پراکرت سے پیدا ہوئی۔ اس لیے جہاں جہاں پراکرتیں تھیں وہاں وہاں اپ بھرنشیں بھی وجود میں آئیں۔ پہلی بار بطور زبان اس کا استعمال چھٹی صدی عیسوی کے قریب کیا گیا۔ گیان چند جین کے مطابق بھی اس کا زمانہ ۵۰۰ء تا ۱۰۰۰ء ہے:

> موٹے طور پر ان کا زمانہ ۵۰۰ء سے ۱۰۰۰ء تک کہا جاتا ہے گو بعض نے ۵۰۰ء کی بجائے ۶۰۰ء کہا ہے۔ اپ بھرنش کے معنی بھرسٹ یا مسخ شدہ کے ہیں...... زبان کے معنی میں اس کا پہلا استعمال بھامہ کے 'کاویہ لنکار' اور چنڈ کے 'پراکرت لکشنم' میں چھٹی صدی عیسوی میں ملتا ہے۔
>
> اپ بھرنش الفاظ پہلی بار بھرت کے 'ناٹیہ شاستر' (۳۰۰ء) میں ملتے ہیں...... لیکن اپ بھرنش نے بول چال میں پراکرت کی جگہ سنہ ۵۰۰ء کے قریب حاصل کی ہوگی۔ [18]

مشہور قواعد نویس مارکنڈے نے 'اپ بھرنش' کی تین قسمیں کی ہیں: (۱) جوناگر (۲) اُپ ناگر (۳) براچڑ۔

---

[17] گیان چند جین، عام لسانیات، ص ۸۵۲

[18] ماخذ سابق، ص ۸۵۳

لیکنا کثر و بیشتر ماہرین لسانیات نے 'اپ بھرنش' کی پانچ قسمیں کی ہیں: (۱) شورسینی اپ بھرنش (۲) ماگدھی اپ بھرنش (۳) اردھ ماگدھی اپ بھرنش (۴) مہاراشٹری اپ بھرنش (۵) پیشاچی اپ بھرنش۔

تمام اپ بھرنشوں میں 'شورسینی اپ بھرنش' سب سے اہم، شستہ اور ادبی زبان تسلیم کی جاتی ہے۔ یہ شورسینی پراکرت کی جگہ اس کے علاقے میں ابھری اور دھیرے دھیرے اس کی جگہ لے لی۔ بعد میں 'برج بھاشا' شورسینی اپ بھرنش کی ہی جانشیں کے طور پر ابھری۔ یہ وہی برج بھاشا ہے جسے کھڑی بولی کی بہن کہا جاتا ہے اور جو مغربی ہندی کی پانچ بولیوں میں سے ایک ہے۔ سنیتی کمار چٹرجی لکھتے ہیں:

> شورسینی پراکرت ابتدائی مسیحی صدیوں میں سب سے زیادہ باوقار پراکرت رہی تھی۔ اس کی جانشیں برج بھاشا گنگا کی بالائی وادی میں سب سے زیادہ شستہ اور غالب ادبی زبان بن گئی... ابتداً برج بھاشا کے مقابلے میں دہلی کی ہندوستانی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ لیکن یہ آہستہ آہستہ ابھرتی رہی اور پھر اپنی بہنوں میں رانی بن بیٹھی۔ اور اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستانی (ہندی۔ اردو) اپنی ہمسر بولیوں کی جگہ لے لے گی اور ان کو گوشہ گمنامی میں ڈال دے گی۔ [19]

سنیتی کمار چٹرجی کا ہندی و اردو کی بڑھتی مقبولیت کے پیش نظر یہ اندازہ بالکل درست ثابت ہوا۔ کل تک جن علاقوں میں شورسینی یا برج بھاشا رائج تھے آج وہ علاقے بلکہ ہندوستان کے نصف حصے سے بھی زیادہ علاقے اردو اور ہندی کے زیر اثر ہیں۔

جدید ہند آریائی (۱۰۰۰ء تا حال)

جان گریرسن نے ''جدید ہند آریائی'' کو ان کی خصوصیات اور علاقہ جات کی بنیاد پر داخلی و خارجی زبانوں میں تقسیم کیا ہے۔ گیان چند جین کے مطابق گریرسن نے لسانیاتی جائزۂ ہند جلد اول صفحہ ۱۲۰/ پر جدید ہند آریائی کی مندرجہ ذیل گروہ بندی کی ہے جسے اکثر علمائے لسانیات نے تسلیم کیا ہے:

---

19 سُنیتی کمار چٹرجی، ہند آریائی اور ہندی، ص ۱۶۵

جدید ہند آریائی کی گروہ بندیاں (جان گریرسن کے مطابق):

بیرونی زبانیں:(۱) شمال مغربی شاخ: مغربی پنجابی (لہندا)، سندھی

(۲) جنوبی شاخ: مراٹھی

(۳) مشرقی شاخ: بہاری (میتھلی، مگہی، بھوجپوری)، بنگالی، آسامی، اُڑیا

اہم بیرونی زبانوں کا مختصر تعارف:

سندھی: اس زبان کے رائج علاقے، رسم الخط اور کیفیت کے متعلق مسعود حسین خاں لکھتے ہیں:

> یہ صوبہ سندھ کی بولی ہے، اس کا رسم الخط عربی ہے۔ اس کی پانچ بولیاں ہیں... سندھ کو پرانے زمانے میں 'براچڈ دیس' کہا جاتا تھا۔ اس لیے موجودہ سندھی کا تعلق 'براچڈ اپ بھرنش' سے ہے۔ آریائی زبانوں میں یہ واحد زبان ہے جس پر عربی کے براہ راست اثرات پڑے ہیں۔ [20]

بہاری: اہل لسانیات کے مطابق 'بہاری' نام کی کوئی زبان نہیں، بلکہ یہ تین زبانوں (میتھلی، مگہی، بھوجپوری) کے مجموعے کا نام ہے۔ عصر حاضر میں میتھلی زبان کی تعلیم یونیورسٹیوں میں باضابطہ ایک زبان کی حیثیت سے ڈاکٹریٹ تک دی جا رہی ہے۔ گیان چند جین کہتے ہیں:

> دراصل بہاری کے نام کی کوئی زبان نہیں بلکہ یہ تین بولیوں کا مجموعہ ہے جو حسب ذیل ہیں:
>
> **میتھلی:** یہ شمال مشرقی بہار کی بولی ہے۔ اس کا مرکز دربھنگہ ہے اور یہ خاص طور سے دربھنگہ کے برہمنوں کی زبان ہے... وِدّیاپتی میتھلی کا بہت بڑا شاعر ہوا ہے۔ ساہتیہ اکیڈمی نے میتھلی کو ہندی سے الگ زبان تسلیم کر لیا ہے۔
>
> **مگہی:** یہ جنوبی بہار کی بولی ہے۔ جو پٹنہ، گیا، ہزاری باغ وغیرہ میں رائج ہے۔ یہ خاص ماگدھی کا علاقہ ہے۔ مگہی میتھلی سے مماثل ہے۔

---

20 مسعود احمد خان، مقدمۂ تاریخ زبان اردو، ص ۴۵

بھوجپوری: اس بولی کا نام بہار کے ضلع شاہ آباد (موجودہ رہتاس اور بکسر) کے پرگنہ بھوجپور سے ماخوذ ہے۔مالوہ (اجّین) کے راجہ بھوج کے خاندان کے کچھ راجپوت اس علاقے میں آکر بس گئے تھے۔وہ بھوج ونشی کہلاتے تھے۔ان کی ریاست کو بھوجپور کہا گیا...اس بولی کا علاقہ مشرقی یوپی میں گورکھپور اور بنارس کی کمشنری اور بہار میں شاہ آباد اور چمپارن کے اضلاع ہیں۔ [21]

بنگالی: بنگلہ زبان ماگدھی اپ بھرنش کی جانشین ہے اور تقریباً ۱۱۰۰ء سے اس کے نمونے ملنے شروع ہو گئے تھے۔آج کے زمانے میں اس زبان کا دائرہ کافی وسیع ہے۔ادبی اعتبار سے بھی یہ زبان مالامال ہے۔ناول نگاری میں یہ زبان دیگر ہندآریائی زبانوں کے مدمقابل آگے ہے۔گیان چند جین لکھتے ہیں:

ادبی اعتبار سے یہ (بنگلہ) ہندوستانی زبانوں میں سب سے اوپر ہے۔قدیم شاعروں میں چنڈی داس اور جدید میں ٹیگور سے کون واقف نہیں...ادبی زبان میں سنسکرت الفاظ کی بھرمار ہے۔ [22]

مسعود حسین خاں لکھتے ہیں:

بنگالی: ریاست بنگال اور بنگلہ دیش کی زبان ہے۔دیہاتی بنگالی اور شہری بنگالی میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ادبی بنگالی میں سنسکرت کے خالص الفاظ کی جتنی بھرمار ملتی ہے اس کی مثال اگر ہندوستان کے کسی دوسری زبان میں ملتی ہے تو وہ نئی ہندی ہے۔ [23]

پروفیسر گیان چند جین کی یہ رائے تھی کہ بنگلہ ہندوستان کی تمام زبانوں میں ادبی اعتبار سے اعلی ہے، جبکہ موصوف اگر آج حیات ہوتے تو انھیں اپنے اس نظریے پر نظرثانی کرنی پڑتی اور انھیں معلوم ہوتا کہ کھڑی بولی کی جانشیں (اردو۔ہندی) ہندوستان کے بیشتر حصوں میں نہ صرف بولی اور سمجھی جاتی ہے بلکہ ان کے ادب کا دائرہ نہایت وسیع ہو چکا ہے۔رہی بات اردو کی تو میر، غالب، اقبال اور انیس ودبیر کا ہم پلہ کوئی شاعر

---

[21] گیان چند جین، عام لسانیات، ص۸۶۶

[22] ماخذ سابق، ص۸۶۵

[23] مقدمۂ تاریخ زبان اردو، ص۴۷

کسی ہندآریائی زبان میں آج تک ظاہر نہیں ہوا۔

آسامی: یہ موجودہ صوبہ آسام کی بولی ہے جو کہ اس کے طول و عرض میں بولی جاتی ہے۔

اُڑیا: اڑیا کے علاقے، نام اور پیدائش کے متعلق مسعود حسین خاں لکھتے ہیں:

اُڑیا: یہ اڑیسہ (قدیم اُتکل دیس) میں بولی جاتی ہے اس لیے اس کو اُتکلی یا اوڈری بھی کہتے ہیں...اڑیا دراصل بنگالی کے ساتھ ساتھ بارہویں صدی عیسوی میں ماگدھی اپ بھرنش سے جنم لیتی ہے۔[24]

وسطی زبانیں: (۱) مشرقی ہندی: اودھی، بگھیلی، چھتیس گڑھی

اودھی: مشرقی ہندی کی سب سے اہم بولی 'اودھی' ہے۔ یہ ناگری رسم الخط میں لکھی جاتی ہے۔ اس کا علاقہ اودھ (لکھنؤ) اور فیض آباد کی کمشنریوں اور الہ آباد کمشنری کے شمالی حصے کو چھوڑ کر ہے، مثلاً لکھنؤ، فیض آباد، بارہ بنکی، امبیڈکر نگر، سلطانپور، فتحپور، کوشامبی، رائے بریلی، اناؤ، ہردوئی، سیتاپور، کھیری وغیرہ۔ یہ زبان ادبی اعتبار سے بہت اہم ہے۔ گیان چند جین لکھتے ہیں: ''اس کا ادب بہت وقیع ہے چنانچہ اس میں جائسی کی 'پدماوت' اور تلسی داس کی 'رام چرت مانس' یعنی رامائن جیسے شاہکار ملتے ہیں''۔[25]

اندرونی زبانیں:

(۱) مغربی ہندی (۲) مشرقی پنجابی (۳) گجراتی (۴) راجستھانی (۵) بھیلی (۶) خاندیشی

مغربی ہندی: یہ ہندآریائی کی اندرونی زبانوں میں سب سے اہم ہے۔ مغربی ہندی کا حلقۂ اثر وہی ہے جو شورسینی اپ بھرنش کا ہے۔ اردو و ہندی کی ماخذ کھڑی بولی بھی مغربی ہندی ہی کی بیٹی ہے۔

گریرسن اور گیان چند جین کے مطابق مغربی ہندی کی پانچ بولیاں ہیں: (۱) کھڑی بولی (اردو، ہندی) (۲) ہریانوی (۳) برج بھاشا (۴) بندیلی (۵) قنوجی۔

---

24 مسعود حسین خاں، مقدمہ تاریخ زبان اردو، ص ۴۷

25 گیان چند جین، عام لسانیات، ص ۸۶۸

کھڑی بولی (اردو، ہندی): جیسا کہ ہمیں معلوم ہے، 'کھڑی بولی' مغربی ہندی کی اہم بولی ہے اور اردو و ہندی اسی کی پیداوار ہیں۔ گیان چند جین کے مطابق جن علاقوں میں کھڑی بولی رائج تھی اور ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

> انبالہ، دہلی، یوپی میں ضلع دہرہ دون کا میدانی علاقہ، سہارنپور، مظفر نگر، میرٹھ، شمالی حصۂ بلند شہر، بجنور، مرادآباد اور رامپور...ان کے علاوہ یہ پورے ہندوستان کی مشترکہ زبان یا عام بول چال کی زبان ہے۔ 'ہندوستانی' اسی کا دوسرا نام ہے۔[26]

زیادہ تر علمائے لسانیات کے آرا یہ ہیں کہ 'کھڑی بولی' اپ بھرنش سے نکلی اور دہلی اور اس کے مضافات میں چھا گئی۔ گیان چند جین کے مطابق کھڑی بولی کے خد و خال گیارہویں صدی عیسوی سے تیرہویں صدی تک 'شورسینی اپ بھرنش' کے علاقوں میں تیار ہو چکے تھے:

> کھڑی بولی گیارہویں سے تیرہویں صدی کے بیچ قدیم مدھیہ دیش کے علاقے میں شورسینی اپ بھرنش سے رونما ہوئی۔ اس نے اردو روپ چودہویں صدی سے دکن میں اور سترہویں صدی سے شمال میں اختیار کیا۔ یہ دراصل ادبی روپ ہے۔ واضح ہو کہ لسانیات میں تقریری روپ ہی معتبر ہوتا ہے۔[27]

پروفیسر گیان چند جین کا 'کھڑی بولی' کی پیدائش کے تئیں اپنی ہی آرا میں تضاد پایا جاتا ہے۔ مندرجہ بالا عبارت میں انھوں نے کھڑی بولی کا شورسینی اپ بھرنش سے ابھرنا اور نکلنا قرار دیا ہے، جبکہ اپنی ہی دوسری کتاب ''لسانی مطالعے'' میں کھڑی بولی کے اپ بھرنش سے نکلنے کے موضوع پر ڈاکٹر رام بابو سکسینہ کے حوالے سے بحث کرتے ہوئے شورسینی اپ بھرنش کا نام بطور خاص لینے سے انکار کرتے ہیں:

> اہل اردو کے لیے یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے کہ کھڑی بولی کس اپ بھرنش سے نکلی...ڈاکٹر رام بابو سکسینہ...سے میں نے پوچھا کہ کھڑی بولی کس اپ بھرنش سے نکلی ہے۔ انھوں نے جواب دیا 'بھائی میں نہیں جانتا'......جب ڈاکٹر رام بابو سکسینہ جیسا سنسکرت، پراکرت و اپ بھرنش اور

---

[26] ماخذ سابق، ص ۸۷۱

[27] ماخذ سابق، ص ۸۷۵

لسانیات کا عالم اس بارے میں کچھ نہ کہنا چاہے تو ناواقفانِ اردو کیونکر فیصلہ کر سکتے ہیں۔ ہم اپ
بھرنش کا نام لیے بغیر یہی کہہ سکتے ہیں کہ اپ بھرنشوں کے آخری دور میں دلی، میرٹھ، مرادآباد،
رامپور وغیرہ میں جو اپ بھرنش بولی جاتی تھی کھڑی بولی اسی کا ترقی یافتہ روپ ہے۔ ہم اس اپ
بھرنش کو نام نہیں دے سکتے۔ ہو سکتا ہے یہ مشرقی پنجاب کی ٹکی اپ بھرنش اور آگرے کی
شورسینی اپ بھرنش کے بیچ کا کوئی روپ ہو۔[28]

ڈاکٹر رام بابو سکسینہ اپنی معروف کتاب *A History of Urdu Literature* میں لکھتے ہیں:

حقیقت یہ ہے کہ زبان اردو اُس ہندی یا بھاشا کی ایک شاخ ہے جو صدیوں تک دہلی اور میرٹھ کے
اطراف میں بولی جاتی تھی اور جس کا تعلق شورسینی پراکرت سے بلاواسطہ تھا۔ یہ بھاشا جس
کو مغربی ہندی کہنا بجا ہے زبان اردو کی اصل اور ماں سمجھی جاسکتی ہے۔[29]

ظاہر سی بات ہے کہ شورسینی پراکرت نے شورسینی اپ بھرنش کو جنم دیا اور شورسینی اپ بھرنش نے مغربی ہندی کو
۔ یہاں تک کسی کا اختلاف نہیں ہے، مسعود حسین خاں کا بھی یہی نظریہ ہے:

شورسینی اپ بھرنش نے مغربی ہندی کو جنم دیا جو ۱۰۰۰ء کے قریب ایک مستقل زبان کی حیثیت
اختیار کر لیتی ہے۔[30]

اس سے واضح ہے کہ کھڑی بولی کی پیدائش مغربی ہندی سے ہوئی اور مغربی ہندی جدید ہند آریائی کی اہم ترین
زبان ہے۔ اس بات پر تمام علمائے لسانیات کا اجماع ہے۔ اختلاف صرف اس بات پر ہے کہ کھڑی بولی
شورسینی اپ بھرنش کی جانشین ہے اور اس سے پیدا ہوئی ہے یا برج بھاشا سے؟۔ سنیتی کمار چٹرجی، ڈاکٹر رام
بابو سکسینہ اور مسعود حسین خاں اس بات پر متفق ہیں کہ شورسینی اپ بھرنش کی اصل جانشین برج بھاشا ہے اور

---

[28] گیان چند جین، لسانی مطالعے، ص ۱۲۰

[29] رام بابو سکسینہ، تاریخ ادب اردو، ترجمہ مرزا محمد عسکری، ص ۱

[30] مسعود حسین خاں، مقدمۂ تاریخ زبان اردو، ص ۶۶

کھڑی بولی اس اپ بھرنش کی جانشیں ہے جو دلی اور اس کے اطراف جیسے میرٹھ، مرادآباد، رامپور، سہارنپور، اور مظفر نگر میں بولی جاتی تھی۔ گیان چند جین اس معاملے میں متضاد رائے رکھتے ہیں، جیسا کہ ماقبل میں ذکر کیا گیا۔ وہ اپنی ایک تصنیف 'عام لسانیات' میں 'کھڑی بولی' کو 'شورسینی اپ بھرنش' کی پیداوار قرار دیتے ہیں اور اپنی دوسری کتاب 'لسانی مطالعے' میں کسی خاص 'اپ بھرنش' کا نام نہیں لیتے بلکہ اس 'اپ بھرنش' سے 'کھڑی بولی' کے وجود کے قائل ہیں جو دہلی اور اس کے اطراف میں بولی جاتی تھی۔

اردو زبان موسوم بہ اردو اور وجہ تسمیہ: کوئی بھی زبان پہلے وجود میں آتی ہے، اس کے بعد اہل علم اس کا نام رکھتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح اردو بھی جب کھڑی بولی سے اپنے تشخص اور امتیازی اوصاف کی بنا پر ممیز ہونے لگی اور دکن سے لے کر شمالی ہند تک ابھرنے لگی، نیز شعرا، ادبا، صوفیہ، امرا، اور نوابین اس کی چاشنی اور حلاوت محسوس کرنے لگے اور اس کی ترویج و ترقی میں حصہ لینے لگے، تب جا کر تقریباً انیسویں صدی کے ابتدا میں اس کا نام 'اردو' پڑا۔ اس سے پہلے اسے ہندی، ہندوی، ہندوستانی اور دکنی کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ محمود شیرانی لکھتے ہیں:

> پُرانے مغربی مصنفین کبھی اس کو لنگویج آف اندوستان یا ہندوستان اور بعد میں ہندوستانی کہنے لگے۔ ہمارے ہاں عام خیال یہ ہے کہ انگریزوں نے یہ نام دیا ہے، لیکن امر واقع یہ ہے کہ خود ہمارے اسلاف اس کو زبان ہندوستان یا بولی ہندوستان کہتے رہے۔ مولانا وجہی کتاب سب رس میں اردو کو ''زبان ہندوستان'' کہتے ہیں۔[31]

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

> اردو کا سب سے قدیم نام ہندی یا ہندوی ہے۔ اس کی ایک پرانی مثال وہ ہے جو حضرت شاہ میراں جی شمس العشاق متوفی ۹۰۲ھ کے رسالہ 'خوش نغز' میں ملتی ہے۔[32]

---

[31] محمود شیرانی، پنجاب میں اردو، ص ۳۹

[32] ماخذ سابق، ص ۴۰

اردو زبان کا نام 'اردو' بیک وقت نہیں پڑا، بلکہ حالات اور زمانے کے اعتبار سے اس کے نام بدلتے رہے۔ جب کھڑی بولی سے اردو کے خدوخال نموپذیر ہونے لگے تو اولاً اسے ہندی، ہندوی اور ہندوستانی کہا جانے لگا۔ اس کے بعد اس کا نام 'ریختہ' ہوگیا۔ پھر اٹھارہویں صدی عیسوی میں 'اردو' ہوگیا۔ ابتدائی زمانے میں لفظ 'ریختہ' سے گیت مراد لیے جاتے تھے، پھر کچھ زمانے بعد ریختہ کا اطلاق اس کلام منظوم پر ہونے لگا جس میں فارسی و ہندوی دونوں کا امتزاج ہوتا تھا، چنانچہ اس عہد کے اکثر مستند استاد شعرا نے بھی لفظ ریختہ بمعنی 'کلام منظوم' استعمال کیے ہیں مثلاً:

ولی تجھ حسن کی تعریف میں جب ریختہ بولے — سُنے تو اُس کو ں جان و دل سوں حسانِ عجم آکر (ولی)

پڑھتے پھرینگے گلیوں میں ان ریختوں کو لوگ — مدت رہیں گی یاد یہ باتیں ہماریاں (میر تقی میر)

ریختہ کے تمہیں استاد نہیں ہو غالب — کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا (غالب)

قائم میں ریختہ کو دیا خلعت قبول — ورنہ یہ پیش اہل ہنر کیا کمال تھا (قائم)

پروفیسر محمود شیرانی لکھتے ہیں:

> گیارہویں صدی (ہجری) میں ریختہ کا اطلاق بالعموم اردو نظم پر ہونے لگا... یاد رہے کہ اس عہد میں ریختہ نظم کے ساتھ مخصوص ہے اس کو نثر کے ساتھ یا زبان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔
>
> ریختہ بمعنی اردو: ریختہ سے مراد اگرچہ ولی اور سراج کے ہاں نظم اردو ہے لیکن دہلویوں نے بالآخر اس کو زبان اردو کے معنی دیئے اور یہ معنی قدرتاً پیدا ہوگئے۔ اس لیے ان ایام میں اردو زبان کا تمام تر سرمایہ نظم ہی میں تھا۔ جب نثر پیدا ہوگئی تو یہی اصطلاح اس پر ناطق آگئی۔ اس طرح ریختہ قدرتاً اردو زبان کا نام ہوگیا۔[33]

---

[33] ماخذ سابق، ص ۳۸-۳۶

اردو زبان کے قدیم وجدید اسماء کے متعلق شمس الرحمن فاروقی رقم طراز ہیں:

پہلے پہل تو اس کلام کو "ریختہ" کہا گیا جو فارسی، ہندی ملی جلی زبان میں لکھا جاتا تھا۔ بعدہٗ وہ زبان بھی ریختہ کہلائی جس میں وہ کلام بنایا جاتا تھا۔ پھر ہر وہ کلام جسے ریختہ میں لکھا جائے، ریختہ کہلانے لگا۔ لفظ "ریختہ" سے ایک صنف شعر مراد لینے، یا "زبان ریختہ" میں کہے ہوئے کلام کے لیے "ریختہ" کا لفظ استعمال کرنے کی مثال انیسویں صدی کے وسط تک ملتی ہے۔ اسی طرح اسم زبان کے طور "ریختہ" اور "ہندی" دونوں ہی انیسویں صدی کی چوتھی دہائی تک رائج رہے۔ [34]

اردو زبان کی وجہ تسمیہ اور سن تسمیہ کے متعلق واضح الفاظ میں سنیتی کمار چٹرجی لکھتے ہیں:

جب مغل فوجوں کے ساتھ خاص طور پر اورنگ زیب کی جنوب کی مہم کے ساتھ دہلی کی 'ہندوستانی' دکن پہنچی تو اسے "اردوئے معلی" کہا گیا تاکہ اسے اس زبان سے ممتاز کیا جاسکے جو شمالی ہند کے پہلے مسلمان حملہ آوروں اور تارکین وطن کے ساتھ وہاں پھیل چکی تھی۔ اردو اسی توضیحی نام کا مخفف ہے جسے ۱۷۵۲ء کے بعد زبان کے نام پر عام طور پر استعمال کیا گیا۔ [35]

پروفیسر گیان چند جین اردو کی سن تسمیہ اور قدیم نام کے متعلق لکھتے ہیں:

اردو کا نام انیسویں صدی کے اوائل میں رکھا گیا۔ اس سے پہلے اسے من جملہ دوسرے ناموں کے ہندی بھی کہا جاتا تھا... محمد حسین عطاخاں تحسین نے "نوطرز مرصع" کے سبب تالیف میں لکھا ہے: "لیکن مضمون اس داستان بہارستان کے تئیں بیچ عبارت رنگین زبان ہندی کے لکھا جائے۔ ہندی کا نام "ہندی" انیسویں صدی کے آخر کا ہونا چاہیے۔ پہلے پوربی، برج بھاشا مستعمل تھے"۔ [36]

محولہ بالا اقتباسات سے یہ واضح اور ثابت ہو جاتا ہے کہ اردو کا قدیم نام ہندی، ہندوی، ہندوستانی، دکنی اور

---

34 شمس الرحمن فاروقی، اردو کا ابتدائی زمانہ، ص ۱۱۴

35 سُنیتی کمار چٹرجی، ہند آریائی اور ہندی، ص ۱۷۴

36 گیان چند جین، لسانی مطالعے، ص ۱۵۵

گجری تھا۔ سنیتی کمار چٹرجی کے مطابق اٹھارہویں صدی کے نصف آخر کے آغاز میں اور گیان چند جین کے مطابق انیسویں صدی کے آغاز میں اس کا جدید نام 'اردو' رکھا گیا، جبکہ موجودہ ہندی زبان کا جدید نام 'ہندی' انیسویں صدی کے آخر میں پڑا، کیوں کہ 'ہندی' اس سے پہلے 'پوربی' اور 'برج بھاشا' کے نام سے جانی جاتی تھی۔

ہریانوی: اس کا علاقہ آج کا ہریانہ صوبہ ہے، جیسا کہ نام سے بھی ظاہر ہے۔ ہریانوی زبان کو دوسری دیگر زبانوں جیسے انگریزی اور ہندی میں ''بانگرو'' بھی کہتے ہیں لیکن اہل اردو 'ہریانی' یا 'ہریانوی' کہتے ہیں۔

برج بھاشا: متھرا اور آگرہ کے علاقے کا پرانا نام 'شورسین' ہے۔ اس علاقے میں پراکرت کے بعد جو زبان بولی جاتی تھی اسے 'شورسینی اپ بھرنش' کا نام دیا گیا۔ 'شورسینی اپ بھرنش' کے بعد 'برج بھاشا' اس علاقے کی مرکزی بولی کی حیثیت سے ابھری، 'شورسینی اپ بھرنش' کی جانشیں کہلائی اور متھرا کے ارد گرد کئی اضلاع میں پھیل گئی۔ مسعود حسین خان کے مطابق 'برج بھاشا' مغربی ہندی کی نمائندہ بولی ہے اور 'شورسینی اپ بھرنش' و 'پراکرت' کی سچی جانشیں بھی:

> مغربی ہندی کی سب سے نمائندہ بولی... برج بھاشا ہے۔ یہ کھڑی بولی کے مقابلہ میں 'شورسینی اپ بھرنش' اور پراکرت کی سچی جانشیں ہے۔ اس کا مرکز برج (متھرا) کا علاقہ ہے۔ لیکن یہ جنوب میں آگرہ، بھرت پور، دھول پور، کرولی، گوالیار اور جے پور کے مشرقی اضلاع تک پھیلی ہوئی ہے۔ شمال میں گوڑ گاؤں ضلع کے مشرقی حصے تک رائج ہے۔ اس لیے اس کا شمار بھی نواح دہلی کی بولیوں میں ہو سکتا ہے۔ شمال مشرق کی جانب یہ بلند شہر، علی گڑھ، ایٹہ، مین پوری، بدایوں اور بریلی کے اضلاع سے ہوتی ہوئی نینی تال کے ترائی پرگنوں تک رائج ہے۔ متھرا کی برج معیاری مانی جاتی ہے۔[37]

مغربی ہندی کی بقیہ دو بولیاں بندیلی اور قنوجی اپنی مذکورہ بہنوں کے مقابلے میں ادبی اعتبار سے کمزور سمجھی جاتی ہیں۔ اسی لیے اس مختصر مقالے میں اس کے تفصیلی تعارف کی ضرورت نہیں۔ بس اتنا معلوم ہو کہ:

---

37 مسعود حسین خاں، مقدمۂ تاریخ زبان اردو، ص ۵۹

بندیلی: بندیل کھنڈ کے علاقے میں بولی جاتی ہے۔ موٹے طور پر یہ باندہ، ہمیرپور، جالون اور جھانسی کے اضلاع ہیں۔ گویا کہ بندیلی کے مشرق میں مشرقی ہندی کی بولی بگھیلی، شمال میں قنوجی اور برج بھاشا، جنوب مغرب میں راجستھانی اور جنوب میں مراٹھی کی بولیاں بولی جاتی ہیں۔ آلہا اُودل کے گیت اسی بولی میں اولاً لکھے گئے تھے۔

قنوجی: اس بولی کا تعلق شہر قنوج سے ہے۔ موجودہ وقت میں اس کے علاقے ایٹہ، فرخ آباد اور شاہجہاں پور کے اضلاع سے ہوتے ہوئے یہ بولی کانپور اور ہردوئی تک پھیلی ہوئی ہے۔

مغربی ہندی کی بولیوں کا لہجۂ امتیاز واختصاص

مغربی ہندی کی پانچوں بولیوں میں جو بہت اختصاصی اور ممیز لہجہ ہے وہ یہ ہے کہ کھڑی بولی اور ہریانی باعتبار لہجہ ایک دوسرے کے کافی قریب ہیں اور بقیہ تینوں یعنی برج بھاشا، بندیلی اور قنوجی لہجے کے اعتبار سے ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ دوسرے لفظوں میں کہ کھڑی بولی اور ہریانی کے اکثر الفاظ کے آخر میں ''آ'' آتا ہے جیسے میرا بھائی کھانا کھایا، اور 'میرا بیٹا دلی گیا' وغیرہ۔ اور برج بھاشا، بندیلی و قنوجی کے آخر کے اکثر الفاظ میں ''اُو'' کا لہجہ آتا ہے۔ جیسے 'میرو بیٹو کھانو کھایو' اور 'میرو بھائی دلی گیو' وغیرہ۔ گیان چند جین اس کے متعلق لکھتے ہیں:

> ہریانی اور کھڑی میں ''آ'' کا لہجہ ہے بقیہ تین میں ''اُو'' کا یعنی پہلے دو کے بہت سے الفاظ کے آخر میں ''آ'' آتا ہے بعد کے تین کے الفاظ میں ''اُو''۔[38]

پہاڑی بولیاں: (۱) مشرقی پہاڑی (نیپالی، گورکھا) (۲) درمیانی پہاڑی (کمایونی، گڑھوالی) (۳) مغربی پہاڑی (شملہ اور اس کے آس پاس کی بولیاں)۔

ماخذ و مراجع

۱۔ قرآن حکیم
۲۔ سُنیتی کمار چٹرجی، ہند آریائی اور ہندی، مترجم: عتیق احمد صدیقی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، ۲۰۰۱ء
۳۔ محمود شیرانی، پنجاب میں اردو، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، ۲۰۰۵ء

[38] گیان چند جین، عام لسانیات، ص ۸۷۰

۴۔ مسعود حسین خاں، مقدمہ تاریخ زبان اردو، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۲۰۱۰ء
۵۔ رام بابو سکسینہ، تاریخ ادب اردو، مترجم: مرزا محمد عسکری، مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۲۹ء
۶۔ گیان چند جین، عام لسانیات، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی ۱۹۸۵ء
۷۔ گیان چند جین، لسانی مطالعے، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، ۲۰۱۰ء
۸۔ مرزا خلیل احمد بیگ، اردو کی لسانی تشکیل، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۲۰۱۲ء
۹۔ شمس الرحمن فاروقی، اردو کا ابتدائی زمانہ، آج کی کتابیں، کراچی، ۲۰۰۹ء

رئیس احمد جعفری ندوی کی خاکہ نگاری کا مطالعہ

''دید وشُنید'' کے آئینے میں

نوشاد عابدین

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

naushadalam4ru@gmail.com

رئیس احمد جعفری ندوی اردو کے بسیار نویس مصنف صحافی اور ادیب ہیں۔ وہ ۱۹۰۷ء میں لکھیم پور، یوپی میں پیدا ہوئے۔ ستیاپور ان کا وطن تھا اور ننیہال سیتاپور کے مشہور قصبہ خیرآباد میں تھی۔ کمسنی ہی میں ان کے والد کا انتقال ہوگیا تھا۔ اس لیے ان کی ابتدائی پرورش و تربیت ننیہال میں نانا کے بڑے بھائی اور مشہور شاعر ریاض خیرآبادی کی سرپرستی میں ہوئی۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو اور جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں ان کی تعلیم ہوئی۔ انہوں نے ندوہ میں طالب علمی کے زمانے ہی سے مضمون نگاری شروع کی تھی، جو جامعہ میں بھی بدستور جاری رہی۔ جامعہ میں قیام کے دوران ہی انہوں نے مولانا محمد علی جوہر کی سوانح عمری لکھی۔ جس کی خوب پذیرائی ہوئی۔ یکم جنوری ۱۹۳۴ء کو وہ اخبار ''خلافت''، بمبئی کے مدیر مقرر ہوئے۔ اس اخبار سے نومبر ۱۹۳۸ء تک وہ وابستہ رہے۔ اس کے بعد متعدد اخبارات و رسائل میں انہوں نے کام کیا۔ ساتھ ہی ان کی تصنیفی و تالیفی سرگرمیاں بھی جاری رہیں۔ قیام پاکستان کے بعد جنوری ۱۹۴۸ء میں وہ پاکستان چلے گئے۔ پاکستان میں بھی ان کی صحافتی اور تصنیفی سرگرمیاں بدستور جاری رہیں۔

رئیس احمد جعفری کا شمار اردو کے کثیر التصانیف اہل قلم میں ہوتا ہے۔ ان کی تصنیفات اور تراجم کی تعداد سوا سو کے قریب ہے۔ متفرق مضامین اس کے علاوہ ہیں۔ انہوں نے علمی، ادبی، تاریخی، سیاسی، نفسیاتی، افسانوی، مذہبی وغیرہ موضوعات پر خامہ فرسائی کی ہے۔ ۲۷؍اکتوبر ۱۹۶۸ء کو لاہور میں ان کا انتقال ہوا۔

''دید وشنید''، رئیس احمد جعفری ندوی کے خاکوں کا مجموعہ ہے۔ ۸۳۰ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں مجاہدین صف شکن، علمائے کرام، رہنمایانِ ملت، اربابِ آئین و قانون، ماہرینِ تعلیم، اصحاب ادب، شعرائے

عصر، حکمائے حاذق، دخترانِ ملت وغیرہ جیسے عناوین کے تحت ۱۰۸ افراد کے خاکے پیش کیے گئے ہیں۔ رئیس احمد جعفری کے ممدوحین میں خالدہ ادیب خانم، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا ابوالاعلی مودودی، مولانا آزاد سبحانی، مولانا اسلم جیراج پوری، مولانا حیدر حسن خان ٹونکی، محمد علی جناح، حسرت موہانی، ظفر علی خان، لیاقت علی خان، جواہر لعل نہرو، ڈاکٹر راجندر پرشاد، مہاتما گاندھی، پنڈت مدن موہن مالوی، سردار پٹیل، سجاد ظہیر، ڈاکٹر ذاکر حسین، ڈاکٹر عابد حسین، پروفیسر محمد مجیب، احمد شاہ بخاری، رشید احمد صدیقی، سجاد حیدر یلدرم، مولوی عبدالحق، نیاز فتحپوری، ڈاکٹر اقبال، جوش ملیح آبادی، حکیم اجمل خان، حکیم نابینا، عطیہ فیضی وغیرہ جیسی شخصیات شامل ہیں۔

''دیدوشنید'' پہلی مرتبہ ۱۹۴۸ء میں شائع ہوئی تھی۔ دوسری مرتبہ ۱۹۷۸ء میں رئیس احمد جعفری اکیڈمی، کراچی کے زیر اہتمام شائع ہوئی۔ اس کتاب میں مختصر اور طویل دونوں طرح کے خاکے ہیں اور یہ سارے خاکے نجی معلومات ومشاہدات کی روشنی میں لکھے گئے ہیں۔ چنانچہ اس کتاب کے نام ''دیدوشنید'' کے ذیل میں یہ عبارت بھی درج ہے: ''جنہیں میں نے دیکھا، جن سے میں ملا، جن کو میں پرکھا''۔

اسی طرح کتاب کے پیش لفظ خاکہ نگار نے لکھا ہے:

> میں نے اس روشِ عام سے ہٹ کر یہ کتاب لکھی ہے اور صرف اپنے تاثرات مشاہدات پر اکتفاء کیا ہے۔
> میں نے جو کچھ دیکھا، جو کچھ پایا، جو کچھ پرکھا، اسے برملا بیان کردیا ہے۔[1]

اصطلاحی طور پر رئیس احمد جعفری کے بیشتر خاکے تعارفی اور سرسری خاکوں کے ضمن میں آتے ہیں۔ انہوں نے بالعموم چند ملاقاتوں اور محدود مشاہدات وتجربات کی روشنی میں اصحابِ خاکہ کی صورت گری کی ہے اور ان کی سیرت کے چند منتخب پہلوئوں کو اجاگر کیا ہے۔ سرسری قسم کے علاوہ کچھ مفصل خاکے بھی ''دید وشنید'' میں شامل ہیں، جن میں خاکہ نگار کے استاذ اور معروف محدث مولانا حیدر حسن خان ٹونکی کا خاکہ بطور خاص قابل ذکر ہے۔ یہ اس مجموعہ کا طویل ترین خاکہ ہے اور بعض تجزیہ نگاروں کے نزدیک کامیاب ترین بھی۔ مولانا عرفان اور نیّر کاکوری کے خاکے بھی کئی حیثیتوں سے ممتاز ہیں۔

---

[1] رئیس احمد جعفری ندوی، دیدوشنید، رئیس احمد جعفری اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۷ء، دوسرا ایڈیشن، ص ۳۳

رئیس احمد جعفری نے اپنے خاکوں میں سراپا نگاری پر خصوصی توجہ دی ہے۔ ان کے سراپوں میں موضوع اشخاص کی شکل وصورت، رنگ وروپ، قد وقامت، تن وتوش، لباس وپوشاک وغیرہ کا ذکر دلچسپ اور خوبصورت پیرایے میں ہوتا ہے۔ ذیل کے سطور میں ان کی سراپا نگاری کی کچھ جھلکیاں بطور نمونہ پیش کی جاری ہیں۔

ڈاکٹر جرمانوس:

جامع مسجد میں انہوں نے بڑے والہانہ جوش اور شیفتگی کے ساتھ جمعۃالوادع میں شرکت کی۔ ان کی صورت اس وقت میری آنکھوں کے سامنے پھر رہی ہے۔ گداز بدن، گورا رنگ، گول چہرہ، چوڑی دار پائجامہ، سرج کی ایک چست اچکن، ترکی ٹوپی، متبسم چہرہ، آنکھوں میں غور وفکر کی چمک، ادھیڑ عمر۔[2]

خالدہ ادیب خانم:

گورا رنگ، میانہ قد، بڑی بڑی آنکھیں، چہرے پر ضعیفی کی جھریاں، لیکن ان جھریوں میں بھی شباب رفتہ کا رنگ موجود، آواز لطیف اور شیریں، لیکن لب ولہجہ ایک سپاہی کی طرح فیصلہ کن اور باوقار، پردہ سے آزاد لیکن دل مذہب کا اسیر، خیالات آزاد لیکن توازن کی دولت سے مالا مال، انداز کلام میں بے باکی، لیکن اس بے باکی میں بھی وقار نسوانی کی جھلک موجود۔[3]

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی:

۱۹۳۷ء کی ایک سرد شام کو خلافت ہاؤس کے مہمان خانے میں ایک نئی صورت نظر آئی۔ میانہ قد، دوہرا بدن، سر پر ترکی ٹوپی، علی گڑھ کٹ پائجامہ، حیدرآبادی وضع کی شیروانی، ڈاڑھی ندارد، غالباً مونچھیں بھی منڈی ہوئی، انگریزی تراش کے بال، خوبصورت چہرہ، بڑی بڑی آنکھیں، کچھ خاموش خاموش، کچھ الگ تھلگ سے۔ میں نے مولانا عرفان سے پوچھا: آپ کی تعریف؟ فرمایا:

---

[2] حوالہ سابق، ص 41

[3] حوالہ سابق، ص 44

ابوالاعلیٰ مودودی۔[4]

ان اقتباسات کی روشنی میں رئیس احمد جعفری کی سراپا نگاری کے طرز و انداز کو سمجھا جا سکتا ہے۔ جعفری سراپا نگاری میں اختصار سے کام لیتے ہوئے صاحب خاکہ کے ظاہری خدوخال کے نمایاں عناصر کو بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ جہاں تک کردار نگاری کی بات ہے تو رئیس احمد جعفری موضوع کے بارے میں مجرد خیالات وتاثرات پیش کرنے اور براہ راست تعریف و تنقیص کرنے کے بجائے واقعات، مشاہدات اور تجربات کی روشنی میں اصحاب خاکہ کی سیرت و کردار کے مختلف گوشوں کو اجاگر کرتے ہیں۔ چونکہ ممدوحین کے سلسلے میں ان کا مطالعہ عام طور پر بہت وسیع اور عمیق نہیں ہے۔ اس لیے وہ ان کی کتابِ زندگی کے جملہ ابواب کو اپنا موضوع نہیں بناتے۔ مگر جو کچھ کہتے ہیں اپنے مشاہدے و تجربے ہی کی روشنی میں کہتے ہیں۔ مجرد تعریف یا مجرد تنقیص کو وہ اپنا شیوہ نہیں بناتے۔ ذیل میں ''دید و شنید'' کے مختلف خاکوں سے کردار نگاری کی کچھ جھلکیاں پیش کی جا رہی ہیں۔

رئیس احمد جعفری جامعہ ملیہ اسلامیہ میں مولانا اسلم جیراج پوری کے شاگرد رہے ہیں۔ جعفری نے ان کا مختصر مگر پر اثر خاکہ لکھا ہے۔ ان کی اولوالعزمی، ایثار اور سادگی کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

> پہلے علی گڑھ کالج میں اسلامیات کے معلم تھے۔ پھر جامعہ ملیہ کی تاسیس ہوئی۔ علی گڑھ کی آرام دہ نوکری چھوڑ دی اور جامعہ کے غریب خانہ میں آکر بیٹھ گئے۔ جامعہ پر بڑے بڑے نازک وقت آئے، لیکن اس ادارے سے ان کی وفاداری کبھی متزلزل نہ ہوئی..... مولانا جید عالم ہیں لیکن ان کے لباس سے کوئی نہیں پہچان سکتا۔ نہ جبہ اور عمامہ کے پابند ہیں۔ نہ وعظ و تلقین کے۔ عام آدمیوں میں عام آدمیوں کی طرح رہتے ہیں۔[5]

علامہ سید سلیمان ندویؒ کے خاکے میں ان کی علمی مہارت اور تدریسی لیاقت کا ذکر یوں کرتے ہیں:

> وہ قرآن کی تفسیر پڑھاتے تو ایسا معلوم ہوتا، اس فن کے امام ہیں۔ وہ فلسفہ قدیم پر گفتگو تو اندازہ ہوتا،

---

[4] حوالہ سابق، ص ۵۶

[5] حوالہ سابق، ص 60-61

یہ فن بھی 'روندا ہوا ہے کوبۂ شہر یار کا'۔ وہ صرف ونحو پر باتیں کرتے تو معلوم ہوتا سیبویہ اور زمخشری کی روح بول رہی ہے۔ وہ ادب عربی، فصاحت وبلاغت پر گفتگو کرتے تو اندازہ ہوتا حافظ اور جرجانی سامنے موجود ہیں۔ فلسفہ کے ہمارے مولانا حفیظ اللہ صاحب مسلمہ اور مستند استاد تھے۔ بوعلی سینا کی مشہور کتاب نجاۃ درس میں تھی اور وہی پڑھاتے تھے۔ ایک مرتبہ اس کتاب کا ایک سبق سید صاحب نے پڑھایا۔ آنکھیں کھل گئیں۔ علم کیا ہوتا ہے؟ علم کی گہرائی کیا ہوتی ہے؟ یہ آج معلوم ہوا۔ حدیث کے فن میں مولانا حیدر حسن صاحب مغفور امام وقت تھے، لیکن سید صاحب اگر بخاری یا مسلم کے درس میں کبھی اپنے نکات بیان فرماتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ساری عمر اسی فن کی تحصیل میں سید صاحب نے صرف کی ہے۔[6]

خاکہ نگار کے استاذ مولانا حیدر حسن خان ٹونکی کا خاکہ اس مجموعے کا طویل ترین خاکہ ہے۔ خاکہ نگار نے مولانا کی زندگی کے مختلف پہلوئوں پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ اس خاکے سے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

(۱) طبیعت بالکل بچوں کی سی پائی تھی۔ وہی سادگی، وہی بھولا پن، وہی بے فکری جو بچوں کی خصوصیت ہوتی ہے، مولوی صاحب کی بھی تھی۔ کھانا جیسا مل گیا کھالیا۔ کپڑا جیسا میسر آیا پہن لیا۔ چارپائی ہوئی تو اس پر آرام فرمایا۔ فرش ہوا تو اس پر استراحت فرما گئے۔[7]

(۲) مولوی صاحب ہمارے دوست بھی تھے اور عزیز بھی۔ استاذ بھی اور بزرگ بھی۔ ساتھی بھی اور رفیق بھی۔ ہر رنگ میں ہم نے انہیں دیکھا، پرکھا، جانچا اور کھرا پایا۔ وہ دوست کی حیثیت سے ہمارے رازدار، عزیز کی حیثیت سے اخلاق ونصیحت کے پیام بر، ساتھی کی حیثیت سے دکھ اور درد کے ساتھی، رفیق کی حیثیت سے تن من دھن سے ہر کام میں شریک۔ ہمارے لیے تعین مشکل ہے کہ وہ ہمارے کیا تھے۔[8]

(۳) ان کی دھج ایسی ہوتی تھی کہ دیکھنے والے پر رعب بھی پڑتا اور اثر بھی، ان کی سادگی پر ہزاروں

---

[6] حوالہ سابق، ص ۹۹

[7] مبین مرزا (مرتب)، اردو کے بہترین شخصی خاکے، کتابی دنیا، دہلی جلد اول، ص ۱۲۸

[8] حوالہ سابق، ص 129

بناوٹیں قربان، پاؤں میں نری کا سرخ جوتا، دبلا پتلا بدن، میانہ قد، بڑی بڑی مخمور آنکھیں، ریش مبارک سفید، سر پر ایک پگڑی، اونچا پائجامہ، نیچا کرتہ، چلتے اس طرح سے تھے، جیسے ڈھلوان جگہ سے کوئی اتر رہا ہو۔ رفتار خاصی تیز۔ آواز گرجدار نہیں تھی لیکن پُر وقار تھی۔ انداز میں خاکساری نمایاں۔ جس سے ملتے جھک کر ملتے۔ ترفع، نمود اور نمائش کے جذبے سے کوسوں دور۔ وہ دل کھول کر ملتے تھے۔ چاہتے تھے دوسرے بھی ایسے ہی ملیں۔ کاٹ پیچ کے آدمیوں سے دور رہتے تھے۔[9]

اس طرح رئیس احمد جعفری نے اپنے مشاہدات و تجربات کی روشنی میں موضوع اشخاص کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ نجی معلومات اور چشم دید واقعات پر انحصار کی وجہ سے ''دید و شنید'' کے خاکوں میں آپ بیتی کی سی دلکشی اور دلچسپی پیدا ہو گئی ہے۔

''دید و شنید'' کے خاکے اپنے حسن بیان، بے بیکانہ انداز، بنیادی ذرائع علم سے استفادہ، پُراثر سراپا نگاری اور موضوع کے انتخاب میں تنوع و ہمہ رنگی کی وجہ سے اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ خاکے اس دور میں منظرِ عام پر آئے جب اردو میں خاکہ نگاری کی روایت زیادہ مستحکم نہیں تھی۔ یہ زمانی سبقت بھی رئیس احمد جعفری کے خاکوں کو ایک قسم کا امتیاز عطا کرتی ہے۔

[9] حوالہ سابق، ص ۱۸۷-۱۸۶

انٹرنٹ پر عربی اور اسلامی مآخذ

ڈاکٹر ظفر الاسلام خان

zik@zik.in

زمانۂ قدیم میں جب چھپائی کا رواج نہیں تھا، کتابیں ہاتھ سے لکھی جاتی تھیں۔آج ایسی کتابوں کو ''مخطوطہ'' کہتے ہیں۔اس طرح ہر کاپی کی تیاری میں بہت وقت لگتا تھا اور اسی وجہ سے ان کی قیمت بہت زیادہ ہوتی تھی۔ بعض دفعہ کوئی مخطوطہ کسی شہر میں دستیاب نہ ہوتا تھا تو علم کے عاشق دوسرے شہروں بلکہ ملکوں کا سفر کرتے تھے۔اس مقصد سے لوگوں نے مشرق عربی سے مغرب عربی بلکہ اندلس تک کا سفر کیا۔ چھاپہ خانہ اگرچہ فرانس اور جرمنی میں ۱۴۳۹ء میں ایجاد ہو چکا تھا لیکن ''فتوؤں'' کی وجہ سے ۱۷۲۹ء تک سلطنت عثمانیہ میں پرنٹنگ پریس پر نہ صرف پابندی تھی بلکہ پرنٹنگ پریس استعمال کرنے کی سزا موت تھی۔اس میں ان لاکھوں خطاطوں کا بھی دخل تھا جن کی روزی روٹی پرنٹنگ پریس کی وجہ سے متاثر ہو رہی تھی۔ بہر حال مشرق وسطی اور ہندوستان میں بمشکل اٹھارویں صدی کے وسط میں پہنچا اور دھیرے دھیرے اخبارات ورسائل کے ساتھ کتابیں بھی پریس میں چھپنے لگیں۔ دھیرے دھیرے چھپائی کی ٹکنالوجی میں بھی ترقی ہوتی رہی اور اب حالت ڈیجیٹل پرنٹنگ تک آپہنچی ہے جس میں آپ کسی کتاب کا صرف ایک یا چند نسخے بھی چند گھنٹوں میں چھپوا سکتے ہیں۔ ڈیجیٹل پرنٹنگ سے چھپی ہوئی کتاب عام طور سے پرنٹنگ پریس میں چھپی ہوئی کتابوں سے کسی طرح کمتر نہیں ہوتی ہے اور اگر صرف چند کاپیاں ہی مطلوب ہوں تو لاگت بہت کم آتی ہے۔

پرنٹنگ دنیا کے روز افزوں انقلاب کے ساتھ ساتھ سنہ ۱۹۷۰ کے دہے میں کمپیوٹر اور انٹرنٹ کی شکل میں ایک اور انقلاب آیا جس نے معلومات کے حفظ و ترتیب و تخزین و ترسیل میں ایک نئے عہد کا آغاز کیا جس کا پہلے کسی نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ جہاں کمپیوٹر نے معلومات کی ترتیب و تخزین کو انقلابی حد تک آسان کر دیا، وہیں انٹرنٹ کی وجہ سے ڈیجیٹل (رقمی) شکل میں مواد کی ترسیل سکنڈوں میں دنیا کے کسی حصے سے دوسرے حصے ہونے لگی۔انٹرنٹ کے ذریعے مواد ویب سائٹس پر ڈالا جانے لگا جسے چشم زدن میں دنیا کے کسی بھی حصے

میں کوئی بھی پڑھ سکتا ہے۔ اور اسی کے واسطے بذریعہ ایمیل خط و کتابت اور ترسیل معلومات کا برق رفتار اور انتہائی سستا وسیلہ بھی ایجاد ہو گیا۔ بیسویں صدی کے ختم ہوتے ہوتے کمپیوٹر اور انٹرنٹ کی ٹکنالوجی عام ہو گئی اور اب تقریباً ہر یونیورسٹی، لائبریری اور ہر ادارہ بلکہ بہت سے اشخاص کی بھی ذاتی ویب سائٹ موجود ہے جن پر ہزاروں کروڑوں صفحات کا مواد دستیاب ہے اور جن تک گوگل اور اسی طرح کے دوسرے سرچ انجنوں کے ذریعے سکنڈوں میں بآسانی رسائی ہو سکتی ہے۔

جہاں ساری دنیا نے اس انقلاب کا فائدہ اٹھایا وہیں عربوں اور مسلمانوں نے بھی اپنے مذہب، زبانوں، ادب، تاریخ اور فنون و ثقافت وغیرہ کے بارے میں انٹرنٹ پر بہت بڑا ذخیرہ منتقل کر دیا ہے۔ تمام امہات الکتب آج ڈیجیٹائز ڈ کر کے انٹرنٹ پر ڈال دی گئی ہیں جن تک رسائی اب صرف چند سکنڈوں میں ہو جاتی ہے جبکہ اچھی سے اچھی لائبریری میں بھی کسی مطبوعہ کتاب کو پانے میں پانچ، دس منٹ تو بہر حال لگ ہی جاتے ہیں۔ اگر مطلوبہ مواد یونیکوڈ[1] یا پی ڈی ایف[2] کی شکل میں ہو (یعنی تصویر کی شکل میں نہ ہو) تو اس میں کسی لفظ کو تلاش کرنے کی بھی سہولت ہوتی ہے جس سے ریسرچ اسکالرز اور پڑھنے والوں کی مشکل اور بھی آسان ہو جاتی ہے۔ لاکھوں کتابیں، مخطوطات، دنیا کے تمام اہم مجلات اور کروڑوں دستاویزات آج انٹرنٹ پر دستیاب ہیں۔ پی ایچ ڈی کے مقالے بھی اکثر یونیورسٹیاں اپنی ویب سائٹ پر پی ڈی ایف کی شکل میں ڈال دیتی ہیں جس

---

[1] یونیکوڈ Unicode، جس کا نام پورا نام یونیکوڈ اسٹینڈرڈ ہے، انفارمیشن ٹکنالوجی اسٹینڈرڈ کا حصہ ہے جس کے تحت ہر ٹائپ شدہ حرف کو ایک کوڈ میں بدل دیا جاتا ہے۔ اس طرح محفوظ کئے گئے کسی مواد کو جب بھی کسی دوسرے کمپیوٹر پر کھولا جائے گا تو وہاں اس کی اصل مطلوبہ شکل نظر آئے گی۔ یہ عمل اب تک دنیا کی ۱۵۹ قدیم وجدید زبانوں کے لئے بنایا جا چکا ہے جس میں عربی اور اردو شامل ہیں بشرطیکہ ان کو مذکورہ اسٹینڈرڈ سے میل کھانے والے پروگرام میں ٹائپ کیا جائے جیسے ورڈ MS Word۔ اردو ان پیج اس ٹکنالوجی سے میل نہیں کھاتا ہے، اس لئے اس میں محفوظ کیا گیا مواد یونیکوڈ کے طور سے نہیں بھیجا جا سکتا ہے، البتہ اس کو ان پیج میں ہی یا پی ڈی ایف میں تبدیل کر کے بطور تصویر بھیجا جا سکتا ہے جس کی وجہ سے اسے کسی دوسرے کمپیوٹر پر صرف ان پیج میں یا بطور تصویر ہی کھولا جا سکتا ہے جس سے ایسے مواد کی افادیت بہت کم ہو جاتی ہے۔

[2] پی ڈی ایف Pdf یعنی پورٹیبل ڈاکیومینٹ فارمیٹ کسی ٹائپ شدہ مواد کو ایسی فائل میں تبدیل کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جس کو بدلا نہ جا سکے لیکن اسے ایمیل سے بطور اٹیچمنٹ بھیجا جا سکے اور کہیں بھی اور کسی بھی پرنٹر پر اسے ہو بہو طبع کیا جا سکے۔

کی وجہ سے آپ بلاوجہ کے خرچ اور وقت کے ضیاع دونوں سے بچ جاتے ہیں۔

اسی طرح کتابوں، مخطوطات کے فوٹو اور مقالات کا حصول پہلے نہ صرف بہت مہنگا تھا بلکہ اس میں کافی وقت بھی لگتا تھا کیونکہ اس وقت تک انٹرنٹ یا تو ایجاد ہی نہیں ہوا تھا یا ایجاد ہونے کے بعد بھی عام نہیں ہوا تھا۔

آج جو کتابیں لائبریریوں میں یا ویب سائٹس پر موجود ہیں، ان تک رسائی بھی انٹرنٹ کے ذریعہ بہت تیزی سے کی جاسکتی ہے اور پورے پورے صفحات کو نہ صرف بآسانی پڑھا جاسکتا ہے بلکہ ضرورت پڑنے پر ایک بٹن دبانے پر انھیں پرنٹ بھی کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح پوری کتاب یا دستاویز کو اپنے کمپیوٹر میں محفوظ بھی کیا جاسکتا ہے تاکہ بعد میں اس سے مزید آسانی سے استفادہ کیا جاسکے۔

جس وقت میں نے سنہ ۱۹۹۱۔ ۱۹۹۲ کے دوران اپنی کتاب ''دلیل الباحث'' (اردو ترجمہ: ''اصول تحقیق'') لکھی تھی اس وقت تک انٹرنٹ عام نہیں ہوا تھا۔ لیکن اکیسویں صدی کے آتے آتے اب یہ سوچنا بھی محال ہے کہ انٹرنٹ سے استفادہ کئے بغیر کوئی رسرچ کی جاسکتی ہے بلکہ بعض یونیورسٹیوں نے شرط لگادی ہے رسرچ میں انٹرنٹ کے مآخذ کو استعمال کرنا ضروری ہے۔ ''اصول تحقیق'' کا دوسرا ایڈیشن ۲۰۰۷ میں چھپا۔ اس وقت تک انٹرنٹ پر یہ انقلاب آچکا تھا اور تب تک کافی ذخیرہ بھی انٹرنٹ پر دستیاب ہونے لگا تھا لیکن مشغولیت اور وقت کی کمی کی وجہ سے یہ کمی اس وقت پوری نہیں کی جاسکی۔ اب اس کمی کو ایک حد تک پورا کیا جارہا ہے۔

پچھلے تین دہوں میں انٹرنٹ پر ہزاروں ویب سائٹس پر لاکھوں کتابیں، مقالات، دستاویزات، آڈیو (صوتی)، وِیژوَل (بصری) فائلوں اور تصویریں وغیرہ ڈالنے کے ساتھ دسیوں سرچ انجن بھی وجود میں آگئے جو ان سب ویب سائٹس سے مطلوبہ مواد سکنڈوں میں تلاش کر کے آپکی اسکرین پر ڈالدیتے ہیں۔ ان میں سب سے مشہور اور سب سے زیادہ استعمال میں آنے والا سرچ انجن گوگل Google ہے جو ہر کمپیوٹر، لیپ ٹاپ اور سمارٹ فون پر انٹرنٹ کنکشن کے ساتھ دستیاب ہے۔ گوگل کے علاوہ صرف اکیڈمک موضوعات کی تلاش کے لئے مندرجہ ذیل سرچ انجن بھی بہت کارآمد ہیں:

Lib Guides Community
Academic Info
Deep Dyve

Archival Research Catalogue
BASE
Refseek
Citeulike
The Virtual LRC
Infomine
Sweet Search
Infotopia
Google Scholar

اگر آپ کو کسی مواد کی ویب سائٹ معلوم ہے تو سیدھے اسے کھولئے ورنہ گوگل یا اسی طرح کے کسی دوسرے سرچ انجن میں اپنا مطلوبہ سوال ٹائپ کر کے انٹر دبا دیجئے۔ اگر آپ کو انٹرنٹ اچھی رفتار میں دستیاب ہے تو صرف چند سکنڈوں میں آپ کو جواب مل جائے گا۔ کتاب کا نام، مصنف کا نام یا موضوع کو ٹائپ کرنے سے بھی آپ کو صحیح جواب فوراً ملے گا۔ یہ سہولت ہر زبان میں دستیاب ہے۔ اس میں اردو زبان بھی شامل ہے۔ یہ سہولیت ٹائپ شدہ مواد کے ڈیجیٹل یا یونیکوڈ ہونے کی وجہ سے ہے جس میں آپ کے پوچھے ہوئے سوال یا تحریر کی تصویر نہیں بنتی ہے بلکہ اس کی الیکٹرانک ڈیجیٹل ترسیل ہوتی ہے جس میں اچھے انٹرنٹ کنکشن ہونے کی صورت میں صرف چند سکنڈ لگتا ہے۔

کچھ اہم عمومی ذخائر

مندرجہ ذیل ذخائر عمومی نوعیت کے ہیں اور ان میں مختلف زبانوں کے ذخائر ہیں بشمول عربی، فارسی اور اردو لیکن یہ ذخائر زیادہ تر یوروپین زبانوں میں ہیں جن میں سب سے زیادہ انگریزی میں ہیں۔ ان کی اکثر کتابوں کو مفت ڈاؤن لوڈ بھی کیا جا سکتا ہے لیکن نئی یا بہت مہنگی کتابیں اور مآخذ جیسے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (لائیڈن) کے لئے ممبرشپ فیس دینی ہوتی ہے جن کا اشتراک بالعموم بڑی اور یونیورسٹی لائبریریاں اپنے ممبران کے لئے لیتی ہیں:

گوگل بکس Google Books: یہ فی الحال انٹرنٹ پر کتابوں کا سب سے بڑا ذخیرہ ہے اور اس کی ویب سائٹ پر ۴۰ ملین کتابیں دستیاب ہیں اور کچھ کتابوں کے پیسے بھی ادا کرنے ہوتے ہیں۔ اس کا انٹرنٹ پتہ یہ ہے: https://books.google.com/

لائبریری آف کانگریس کی ڈیجیٹل لائبریری: امریکی حکومت کی لائبریری آف کانگریس دنیا کی سب سے بڑی اور ذخائر سے مالامال لائبریری ہے۔اس نے قدیم کتابوں کی یہ ویب سائٹ بنائی ہے جو بے مثال ہے۔ اس میں ایک حصہ "افریقہ اور مشرق وسطی" کا بھی ہے جہاں بہت اہم کتابیں اور مخطوطات دستیاب ہیں۔ لائبریری آف کانگریس اس کام کو مصر کی مشہور اسکندریہ لائبریری اور عراق کی قومی لائبریری کی مدد سے کررہی ہے۔اس کی ویب سائٹس کا پتہ مندرجہ ذیل ہے:

/https://www.loc.gov/collections

اوپن لائبریری: اس کے آرکائیو میں تقریباً ۱۵ لاکھ کتابیں مختلف زبانوں میں دستیاب ہیں۔انٹرنٹ پر مفت کتابیں پڑھنے کا یہ سب سے مقبول ذریعہ ہے۔اس کا پتہ یہ ہے: https://openlibrary.org/

پروجیکٹ گوٹنبرگ: یہ الیکٹرانک لائبریری سنہ ۱۹۷۱ میں شروع ہوئی اور انٹرنٹ پر سب سے قدیم لائبریری سمجھی جاتی ہے۔اس لائبریری میں فی الحال ۶۰ ہزار کتابیں ہیں جن کو آنلائن پڑھا جاسکتا ہے اور ڈاؤن لوڈ بھی کیاجاسکتا ہے۔ کتابوں کا اندراج سینکڑوں موضوعات کے تحت کیا گیا ہے۔ اس کا پتہ ہے: https://www.gutenberg.org/

سمیش ورڈز Smashwords: اس الیکٹرانک لائبریری میں ۲۸ اکتوبر ۲۰۲۱ کو 586,046 کتابیں تھیں جن میں ۵۸۷۸۸ کتابیں مفت دستیاب تھیں۔ مفت کتابوں کے لئے Free books کے آئیکون پر کلک کریں۔ اس میں ادبی، شعری، کلاسیک، رومانس کتابیں اور ذاتی سوانح عمریاں ہیں۔ اس کا پتہ یہ ہے: /https://www.smashwords.com

انٹرنٹ آرکائیو Internet Archive یہ ایک بغیر منافع (نان پرافٹ) تنظیم کی ویب سائٹ ہے جس میں ڈیجیٹل شکل میں ۲۸ ملین کتابیں، فائلیں اور دستاویزات وغیرہ موجود ہیں۔اس پر اپنے من پسند موضوعات کی کتابوں کو تلاش کرنے کی سہولت موجود ہے۔اس پر آپ اپنے پسندیدہ مواد اس ویب سائٹ پر اپلوڈ بھی کر سکتے ہیں۔اس کا پتہ یہ ہے: /https://archive.org

۲۴ سیمبلز: اس ویب سائٹ پر پانچ لاکھ ای بکس ہیں۔ اگرچہ یہ ویب سائٹ استعمال کرنے والوں سے زر تعاون لیتی ہے مگر اس پر کتابوں کو مفت پڑھنے کی سہولت بھی موجود ہے۔ مصنف، زبان، موضوع وغیرہ

کے لحاظ سے مطلوبہ کتاب کو تلاش کرنے کی سہولت بھی اس میں موجود ہے۔اس کا پتہ یہ ہے:

/https://www.24symbols.com

بُک بب: یہ ویب سائٹ مفت ہے اور اس میں اکاؤنٹ کھول کر نئی کتابوں کو پڑھا جاسکتا ہے۔ یہ ویب سائٹ کتابوں کو کافی سستے دام میں خریدنے کی بھی رہنمائی کرتی ہے۔اس کا پتہ یہ ہے:

https://www.bookbub.com/welcome

مینی بُکس Many Books: اس ویب سائٹ پر ۳۰ ہزار سے زیادہ کتابیں ڈاؤن لوڈ کرنے کے لئے موجود ہیں، جس میں پرانی اور نئی ہر طرح کی کتابیں بالخصوص ادبی نگارشات اور ناول شامل ہیں۔ اس میں ڈیجیٹل کتابوں کو سستے دام میں خریدنے کی بھی سہولت ہے۔ اس ویب سائٹ کا پتہ حسب ذیل ہے:

https://manybooks.net/

اُور ڈرائیو Overdrive: اس ویب سائٹ کے ذریعے سینکڑوں موضوعات پر لاکھوں کتابوں کی ای بُکس[3] قانونی طور سے مفت حاصل کی جاسکتی ہیں۔ اس میں صرف وہ کتابیں ہی شامل نہیں ہیں جو پبلک ڈومین[4] میں ہیں بلکہ ایسی کتابیں بھی شامل ہیں جو ابھی حال میں شائع ہوئی ہیں یعنی جن پر کاپی رائٹ ہے۔ اس ویب سائٹ کو استعمال کرنے کے لئے طالب علم ہونا یا کسی پبلک لائبریری کا ممبر ہونا شرط ہے۔ اس میں صوتی کتابوں audio books یعنی آواز میں ریکارڈ کی ہوئی کتابوں کو سننے کی بھی سہولت ہے۔ اس ویب سائٹ کا پتہ حسب ذیل ہے: https://www.overdrive.com/

---

[3] اِی بُک E-book یعنی الیکٹرانک بُک یا الیکٹرانک کتاب جو ڈیجیٹل شکل میں ہو یعنی چھپی ہوئی کتاب کی شکل میں نہ ہو بلکہ الیکٹرانک فارم میں ہو جس کو لیپ ٹاپ، کمپیوٹر اور موبائل فون یا کینڈل Kindle جیسے آلے کی اسکرین پر پڑھا جاسکے۔ اِی بُک کبھی کبھی ایک چھپی ہوئی کتاب کا الیکٹرانک ایڈیشن ہوتی ہے اور کبھی قائم بذاتہ ہوتی ہے یعنی اس کا کوئی مطبوعہ ایڈیشن نہیں ہوتا ہے۔ بہت سے اخبارات نے بھی اسی طرح اپنا ای پیپر Epaper یعنی الیکٹرانک ایڈیشن بھی نکالنا شروع کر دیا ہے جو ہو بہو مطبوعہ ایڈیشن کی شکل کا ہوتا ہے۔۔

[4] پبلک ڈومین Public Domain یعنی انٹرنٹ پر موجود وہ کتابیں یا مواد جن کا کوئی کاپی رائٹ نہیں ہے یا انکو استعمال کرنے پر کوئی قانونی پابندی نہیں ہے۔

لائبریری جینیسیس Library Genesis: یہ مفت ای بکس، مجلات اور مضامین کے تلاش کرنے کا سرچ انجن ہے جس کے ذریعہ تین (۳) ملین ای بکس اور ۶۰ ملین مضامین و مقالات تک رسائی ہو سکتی ہے جو تقریبا ہر ممکن موضوعات پر ہیں۔ اس کو استعمال کرنے کا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ کتاب یا مصنف کے نام سے کتابیں اور مضامین تلاش کی جائیں۔ اس طرح تلاش کرنے میں بہت کافی مواد سامنے آئے گا، پھر اس میں سے جو مطلوبہ مواد ہو وہ لے لیا جائے۔ اس لائبریری کی ویب سائٹ مندرجہ ذیل ہے: https://libgen.is/

سنٹس لیس بکس Centsless Books: اس ویب سائٹ کے ذریعے امیزون پر کینڈل کی صورت میں موجود تمام کتابوں تک رسائی ہوتی ہے۔ اس کی ویب سائٹ مندرجہ ذیل ہے:

https://centslessbooks.com/

فیڈ بکس Feedbooks: اس ویب سائٹ پر ایک ملین سے زیادہ ای بکس ہیں جن کو ڈاؤن لوڈ کیا جا سکتا ہے، جس میں فکشن، نان فکشن، پبلک ڈومین، کاپی رائٹ شدہ، مفت اور فیس ادا کرکے حاصل کی گئی کتابیں شامل ہیں۔ ان میں سے تقریباً آدھی کتابوں کو مفت ڈاؤن لوڈ کیا جا سکتا ہے۔ اس کی ویب سائٹ مندرجہ ذیل ہے:

https://www.feedbooks.com/

لائبریری آف کانگریس: یہ اس وقت دنیا کی سب سے عظیم لائبریری ہے۔ اس میں اس وقت ۱۷۰ ملین کا ذخیرہ ہے جس میں ۲۹ لاکھ مطبوعہ جلدیں شامل ہیں۔ اس پر موجود ذخائر کے بارے میں www.loc.gov/ پر سرچ کریں۔

پی ڈی ایف بکس ورلڈ PDF BooksWorld: دوسری ویب سائٹس پر مختلف فارمیٹ میں جیسے EUB اور MOBI فارمیٹ کی کتابیں بھی دستیاب ہیں، لیکن اس ویب سائٹ پر صرف پی ڈی ایف PDF فارمیٹ میں کتابیں دستیاب ہیں جس کو کہ کچھ لوگ زیادہ پسند کرتے ہیں اور جس کا پروگرام تقریباً ہر کمپیوٹر اور سمارٹ موبائل فون میں دستیاب ہے۔ اس ویب سائٹ پر کم کتابیں ہیں اور بالعموم ادب سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس کی ویب سائٹ حسب ذیل ہے: https://www.pdfbooksworld.com/

فری ای بکس: اس ویب سائٹ پر ہزاروں کتابیں دستیاب ہیں جو فکشن، نان فکشن، رومانس، سائنس اور بزنس وغیرہ پر ہیں۔ اس ویب سائٹ سے استفادہ کرنے اور کتابوں کو ڈاؤن لوڈ کرنے کے لئے آپ کو اس پر خود کو

رجسٹر کرانا ہوگا جس کی کوئی فیس نہیں ہے۔ اس کے بعد آپ کو ہر ماہ پانچ فری ای بکس ڈاؤن لوڈ کرنے کی اجازت ہوگی۔ اس میں انگریزی کے علاوہ مختلف دوسری زبانوں میں بھی کتابیں ہیں۔ اس ویب سائٹ کے لئے Free-Ebooks.net کو وزٹ کریں۔

پرنسٹن تھیالوجیکل سیمینری Princeton Theological Seminary کی لائبریری میں ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ کتابیں، مجلات، آڈیو ریکارڈنگس اور مخطوطات وغیرہ دنیا کے مختلف مذاہب کے بارے میں جمع کی گئی ہیں اور سب آنلائن دستیاب ہیں۔ اس کلکشن تک مندرجہ ذیل ویب سائٹ سے رسائی حاصل کی جاسکتی ہے: https://archive.org/details/Princeton?&sort=-week&page=2

ہاتھی ٹرسٹ Hathi Trust: یہ ٹرسٹ بہت سی اکیڈمک اور ریسرچ لائبریریوں کے تعاون سے ۲۰۰۸ میں وجود میں آیا۔ اس کے توسط سے آپ کو تقریباً ۱۷ ملین سے زیادہ ڈیجیٹائزڈ مواد مل سکتے ہیں جو اس طرح کا سب سے بڑا ذخیرہ ہے۔ اس میں عربی اور اسلامی کتابوں کا بھی بڑا ذخیرہ ہے۔ اس تک مندرجہ ذیل ویب سائٹ سے رسائی حاصل کی جاسکتی ہے: https://www.hathitrust.org/digital_library

اسکریبڈ: اس ویب سائٹ پر سینکڑوں موضوعات پر لاکھوں کتابیں، مقالے، صوتی کتابیں، مجلات، آڈیوز وغیرہ موجود ہیں۔ اس کو استعمال کرنے کے لئے اشتراک ضروری ہے جو فی الحال ہندوستان میں **۲۹۹** روپئے ماہانہ ہے۔ ویب سائٹ کا پتہ یہ ہے: https://www.scribd.com/

مشرق وسطی کی ڈیجیٹل لائبریری: Digital Library of the Middle East مختلف لائبریریوں نے مل کر یہ پلیٹ فارم بنایا ہے جہاں مشرق وسطی کی تاریخ، مذاہب، فنون، ممالک وغیرہ کے بارے میں مختلف زبانوں میں سوا لاکھ سے زیادہ ریکارڈ مہیا کرائے گئے ہیں۔ اس کی ویب سائٹ کا پتہ یہ ہے: http://amirmideast.blogspot.com/2020/07/digital-library-of-middle-east.html

شدھ گنگا: یو جی سی کے ایک فیصلے کے مطابق سنہ ۲۰۱۶ سے ہندوستان میں پیش کئے جانے والے تمام ڈاکٹریٹ کے مقالے شدھ گنگا ویب سائٹ پر اپلوڈ کئے جائیں گے۔ اس سے نہ صرف اسکالرز کو مدد ملے گی بلکہ ڈاکٹریٹ کے لئے کوئی موضوع رجسٹر کرانے سے پہلے اسکالر حضرات چیک کرسکیں گے کہ اسی موضوع

پر کہیں اور تو ریسرچ نہیں ہو چکی ہے۔ اکثر بڑی یونیورسٹیاں اپنے ڈاکٹریٹ کے مقالے یا کم از کم ان کی لسٹ اپنی ویب سائٹ پر ڈالتی ہیں۔ بعض ممالک میں اس طرح کی ایک قومی ویب سائٹ بھی ہوتی ہے۔ شدھ گنگا ویب سائٹ کا پتہ یہ ہے: https://shodhganga.inflibnet.ac.in/

انٹرنٹ پر عربی مآخذ

انٹرنٹ پر یوروپین، بالخصوص انگریزی، زبانوں کے بعد سب سے زیادہ ذخائر عربی زبان میں عربی زبان و ادب اور اسلامیات کے بارے میں ہیں۔ عرب یونیورسٹیوں اور پبلک لائبریریوں جیسے ریاض کی شاہ فہد اور شاہ فیصل لائبریریاں، دبی کا مرکز جمعہ الماجد اور اسکندریہ لائبریری نے غیر معمولی کام کیا ہے۔ انٹرنٹ پر موجود کچھ عربی ذخائر حسب ذیل ہیں:

المجموعات العربية على الانترنت Arabic Collections Online کی ویب سائٹ پر ایک ڈیجیٹل لائبریری موجود ہے۔ نیویارک یونیورسٹی ابوظبی کی مدد سے بنائی گئی اس رقمی لائبریری میں 17,262 جلدوں پر مشتمل عربی کتابوں کی تفصیلات دی گئی ہیں جن تک آپ انٹرنٹ کے ذریعے رسائی پا سکتے ہیں۔ جلد ہی یہ پروجیکٹ آپ کی رسائی 23,000 جلدوں تک اُنھیں ڈیجیٹائزڈ کرا کر دلائے گا۔ یہ کتابیں تمام علوم سے متعلق ہیں۔ ان میں ایسی نادر مطبوعہ کتابیں بھی شامل ہیں جو اب نایاب ہیں اور اگر ان کو ڈیجیٹائز نہیں کیا گیا تو خدشہ ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے ناپید ہو جائیں گی کیونکہ ان کے کاغذات وقت کے گذرنے کے ساتھ بوسیدہ سے بوسیدہ تر ہوتے جا رہے ہیں۔ اس ویب سائٹ پر موجود کلکشن تک اس انٹرنٹ پتے (URL)[5] سے رسائی ہوگی https://github.com/NYULibraries/aco-karms:

---

[5] URL یعنی Uniform Resource Locator۔ آسان لفظوں میں یہ ویب سائٹ کا مختصر لاثانی پتہ ہے۔ یہ پتہ ویب سائٹ رجسٹر کرنے والی کمپنیاں دیتی ہیں اور کوئی بھی URL دنیا بھر میں صرف ایک شخص یا ایک ادارے کو ملتا ہے۔ اس کو انٹرنٹ کے ذریعے استعمال کر کے آپ دنیا کے کسی بھی حصے میں مطلوبہ ویب سائٹ سکنڈوں میں کھول سکتے ہیں۔ اسی طرح آپ کی ویب سائٹ بھی آپکے مخصوص URL کو استعمال کر کے کوئی بھی دنیا کے کسی حصے میں کھول سکتا ہے۔

کتبجی: یہ ڈیٹابیس بیسیوں ویب سائٹس سے کئی لاکھ عربی کتابوں کو تلاش کرنے میں مددگار ہے۔اس کا پتہ یہ ہے: https://www.kotobgy.com/

رَشف: یہ ڈیٹابیس ۴۱ ہزار عربی کتابوں کو تلاش کرنے میں مددگار ہے، جن کو مفت میں ڈاؤن لوڈ کیا جا سکتا ہے اور اسکرین پر پڑھا بھی جاسکتا ہے۔ اس کا پتہ یہ ہے: https://rashf.com/

المجموعات العربية على الانترنت: اس کی ویب سائٹ پر فی الحال 6303 کتابوں تک رسائی ہے اور کام جاری ہے۔اس کی ویب سائٹ کا پتہ حسب ذیل ہے:

http://dlib.nyu.edu/aco/browse/?page=1

المكتبة الاسلامية العربية: اس ویب سائٹ پر مختلف مصنفین کی کتابیں ہیں جن کو ڈاؤن لوڈ کیا جا سکتا ہے۔ویب سائٹ کا پتہ یہ ہے: http://library.mohdy.com/

اوپن کلچر Open Culture: اس ویب سائٹ پر دس ہزار سے زیادہ مفت عربی کتابیں دستیاب ہیں۔ان میں بہت سی ڈیجیٹائزڈ کی ہوئی ہیں۔اس کی تیاری میں بہت سی امریکی اور عرب یونیورسٹیوں کی لائبریریوں نے حصہ لیا ہے۔اس ویب سائٹ کے لئے Openculture.com کو وزٹ کریں۔

اوپن اسلامیکیٹ ٹکسٹس انیشیٹیو (Open Islamicate Texts Initiative): یہ یوروپین یونین اور قطر نیشنل لائبریری کی مشترکہ کوشش ہے جس کے تحت قدیم اسلامی میراث کو جمع کیا جارہا ہے۔ عربی کے دینی اور ادبی دونوں طرح کے قدیم ورثے کو ایک جگہ لایا جارہا ہے۔اس کی ویب سائٹ کا پتہ مندرجہ ذیل ہے: https://aub.edu.lb.libguides.com/c.php?g=276487&p=1842971

کنگ فہد نیشنل لائبریری: یہ سعودی عرب کی قومی لائبریری ہے جو مطبوعہ کتابوں، پرانے مجلات اور مخطوطات کے ساتھ ساتھ ڈیجیٹل، آڈیو (صوتی) اور ویژول (بصری) ذخائر سے مالامال ہے۔کتابوں کی تعداد سنہ ۱۴۲۰ھ میں ۱۱ء لاکھ تھی۔یہ سعودی کے باہر کے قارئین اور ریسرچ اسکالرز کی بھی مدد کرتا ہے۔اس کی ویب سائٹ کا پتہ یہ ہے: https://kfnl.gov.sa/ar/Pages/default.aspx

مرکز جمعہ الماجد دبی: کتابوں اور مخطوطات کا بڑا ذخیرہ ہے۔اس کی ویب سائٹ کا پتہ یہ ہے:

http://www.almajidcenter.org/

الحکواتی: یہ عرب کلچرل ٹرسٹ کی ویب سائٹ ہے جو پورے عالم عرب کی میراث پر مواد کو ایک جگہ جمع کر رہی ہے۔اس کا زیادہ زور عربی زبان وادب، عرب تاریخ، عرب ممالک اور شخصیات اور اسلامیات وغیرہ پر ہے۔اس میں مذاہب پر بھی ایک سکشن ہے۔اس کا پتہ یہ ہے: http://al-hakawati.net/

الاسلام.اوآرجی: Al-Islam.org: یہ عربی زبان میں شیعہ ویب سائٹ ہے جس میں تشیع کے نقطۂ نظر سے مواد جمع کیا گیا ہے۔ویب سائٹ کا پتہ یہ ہے: https://www.al-islam.org/

الورق: اس ویب سائٹ پر عربی زبان میں عربی ادب، اسلامیات، تاریخ وغیرہ پر بڑا ذخیرہ ہے۔ عربی میں دوسری زبانوں سے ترجمہ کی گئی کتابوں کا بھی ایک سکشن ہے۔اس کا ماہانہ اشتراک دس اماراتی درہم اور سالانہ ۹۰ درہم ہے۔پتہ یہ ہے: http://www.alwaraq.net/Core/index.jsp?option=1

التفسیر.کام Altafsir.com: یہ قرآن پاک کے بارے میں مختلف مصادر، تراجم اور تفاسیر وغیرہ کی ویب سائٹ ہے جس کو اردن کی رائل اہل البیت انسٹی ٹیوٹ فار اسلامک تھاٹ نے بنایا ہے۔اس کی ویب سائٹ کا پتہ ہے: https://www.altafsir.com/

دار: یہ مصر کی مکتبۃ الاسکندریہ کی بنائی ہوئی ویب سائٹ ہے جس پر 380,000 ڈیجیٹائزڈ کتابیں موجود ہیں۔ تلاش کرنے اور اسکرین پر پڑھنے کی سہولت موجود ہے۔ویب سائٹ کا پتہ ہے: h
ttps://www.bibalex.org/en/default

ٹفس: عثمانی مجلات کی ویب سائٹ جسے استنبول کی بایزید اسٹیٹ یونیورسٹی نے ٹوکیو کی ٹفس Tufs یونیورسٹی کے تعاون سے تیار کیا ہے۔اس کا پتہ ہے:
http://www.tufs.ac.jp/common/fs/asw/tur/htu/list1.html

المشکاۃ ڈاٹ نٹ Almeshkat.net: اس پر اسلامیات کے مختلف موضوعات پر عربی کتابوں کا بڑا ذخیرہ دستیاب ہے۔ویب سائٹ کا پتہ ہے: http://www.almeshkat.net/library/

المکتبۃ الوقفیۃ: اس پر بہت سی عربی ادب اور اسلامیات کی کتابیں ہیں جن کو ڈاؤن لوڈ کیا جا سکتا ہے۔اس کے ویب سائٹ کا پتہ ہے: https://waqfeya.net/

اس کے علاوہ انٹرنٹ پر سینکڑوں اور ویب سائٹس موجود ہیں جہاں ڈیجیٹائزڈ عربی کتابوں کی بہتات ہے۔

آج تقریباً تمام بڑی اور یونیورسٹی لائبریریوں نے انٹرنٹ پر اپنے ذخائر اپلوڈ کرنا شروع کر دیا ہے۔ یہ کام مغرب اور بلاد عربیۃ میں بہت تیزی سے اور منظم طور پر ہو رہا ہے۔ گوگل میں مطلوبہ کتاب یا مصنف کا نام لکھ کر تلاش کرنے سے بہت سے آپشن آئیں گے۔ کچھ آسان ہونگے اور کچھ مشکل۔ بعض ویب سائٹ آپ کو پہلے اس پر رجسٹر کرانے کو کہیں گے۔ آپ کو جو مناسب لگے اور جو ایڈیشن ٹھیک لگے اُسے ڈاؤن لوڈ کر کے اپنے کمپیوٹر میں محفوظ کر لیں تاکہ بار بار ایک ہی کتاب کے لئے انٹرنٹ پر جا کر سرچ کرنے یا کھولنے کی ضرورت نہ پڑے۔

اردو میں انٹرنٹ پر ماٰخذ

عربی، انگریزی نیز بعض دوسری یوروپین زبانوں میں، جیسے جرمن اور فرنچ وغیرہ میں عربی و اسلامیات پر مواد بکثرت دستیاب ہیں۔ البتہ اردو اس معاملے میں ابھی کافی پیچھے ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ایسے کام کے لئے بہت کافی فنڈ اور بشری عملہ درکار ہے جو صرف سرکاری دلچسپی سے دستیاب ہو سکتا ہے اور یہ اردو کو ابھی میسر نہیں ہے۔ کچھ ویب سائٹس جہاں اردو کی متنوع کتابیں ملتی ہیں، یہ ہیں:

ریختہ: یہ ایک شخص (سنجیو صراف) کی اردو دوستی کا ثمرہ ہے۔ انھوں نے ۲۰۱۲ میں اردو کی ترقی اور ترویج کے لئے ریختہ فاؤنڈیشن بنائی۔ اس کا رجحان زیادہ تر اردو شاعری، ادب، تاریخ اور مذاہب پر ہے۔ دوسرے اور بہت سے کاموں کے ساتھ اس نے اپنی ویب سائٹ پر ۸۹۰۰۰ کتابیں ڈالی ہیں جن میں کافی اردو میں ہیں اور ان میں بعض نادر مطبوعات بھی شامل ہیں جن کا آسانی سے ملنا اب مشکل ہے۔ اس کی ویب سائٹ کا پتہ ہے: https://www.rekhta.org/ebooks

کتابستان: کراچی کے راشد اشرف نے اردو کی بہت سی قدیم مطبوعہ کتابوں کو اسکین کر کے انٹرنٹ پر ڈالا ہے جو زیادہ تر ادبی و تاریخی نوعیت کی ہیں اور بالعموم برصغیر سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ ذخیرہ مندرجہ ذیل ویب سائٹ پر دستیاب ہے: www.kitaabistan.com

حکومت ہند کا ادارہ قومی کاؤنسل برائے فروغ اردو زبان (National Council for Promotion of Urdu Language) نے بہت سی ادبی اور تاریخی کتابوں کو اپنی ویب سائٹ پر ڈالا ہے، جن تک رسائی

مندرجہ ذیل پتے سے ہو سکتی ہے: http://www.urducouncil.nic.in/pdf-book

انٹرنٹ پر جن ذخائر کا ذکر انگریزی کے ضمن میں کیا گیا ہے، وہاں بھی عربی، فارسی اور اردو کتابیں بکثرت دستیاب ہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ انگریزی، عربی اور بعض دوسری یوروپین زبانوں کے مقابلے میں اردو کے مصادر و مآخذ انٹرنٹ پر بہت کم ہیں کیونکہ بڑی تجارتی کمپنیاں اور بڑی لائبریریاں اس طرف خصوصی طور سے مائل نہیں ہیں۔ البتہ اردو زبان سکھانے کے لئے بہت سے ویب سائٹ بنائے گئے ہیں۔ ہند و پاک کے اردو اخبارات اور بی بی سی، وائس آف امریکہ اور ڈوئچ ویلے نے بھی عمدہ اردو ویب سائٹس اپنی خبروں اور مضامین کے لئے بنا رکھی ہیں لیکن وہ حالات حاضرہ پر ہیں۔ اگر کوئی حکومت اس طرف متوجہ ہوتی تو اس کی تلافی ہو سکتی تھی جیسا کہ عرب حکومتوں نے عربی زبان کو عام کرنے اور تمام اہم پروگراموں کو عربی میں بھی مہیا کرنے کے لئے کافی پیسے خرچ کئے ہیں۔

انٹرنٹ پر معلومات کا جو انبار ہے، اس کے بارے میں بھی وہی احتیاط برتنی چاہئے جو مطبوعہ اور مخطوطہ مآخذ کے بارے میں ہونی چاہئے۔ یعنی ان کی بھی ٹھیک سے جانچ پرکھ کر لینی چاہئے کہ وہ درست، صحیح اور قابل اعتماد بھی ہیں یا نہیں۔ معروف کتابوں کے معتبر ایڈیشن اور معروف مؤلفین کی نگارشات کے بارے میں تو کوئی مسئلہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ یہ جاننا ضروری ہے کہ کیا واقعی یہ اصلی ایڈیشن ہے یا کسی نے اس کو مذکورہ مصنف کی طرف منسوب کر کے چھاپ دیا ہے یا اس کی کسی مطبوعہ کتاب میں تحریف کر کے چھاپا گیا ہے۔ جس طرح مخطوطہ و مطبوعہ مواد میں تحریف ہو سکتی ہے، ویسے ہی انٹرنٹ پر بھی کچھ لوگ مخصوص آراء یا کسی فرد یا نظریے کی دشمنی میں مقالات اور کتابیں شائع کرتے ہیں جو سرچ کرنے پر نظر آتی ہیں۔ ایسی کتابوں اور مقالات کے بارے میں تحقیق کر لینا چاہئے۔ معروف انسائیکلوپیڈیا مثلاً انسائیکلوپیڈیا آف اسلام یا بریٹانیکا کے بارے میں کوئی مسئلہ نہیں ہے لیکن ایسے بہت سے مآخذ جیسے ویکیپیڈیا Wikipedia وجود میں آگئے ہیں جن میں عربی اور اسلامیات کے بارے میں بھی بہت کچھ ہوتا ہے لیکن ان مقالات کے لکھنے والوں اور ایڈیٹر حضرات کا کسی کو پتہ نہیں اور کوئی بھی ان ویب سائٹس پر جا کر ان موضوعات میں رد و بدل اور اضافے بھی کر سکتا ہے۔ اس لئے ویکیپیڈیا اور اس جیسی ویب سائٹس سے معلومات اخذ کرتے ہوئے ان کی تصدیق دوسرے مآخذ سے کر لینا چاہئے یا جن مآخذ کا وہاں ذکر ہو رہا ہے اُن کو بھی دیکھ لینا چاہئے۔ اکثر ایسا ہوتا

ہے کہ ایک دعوی کو ثابت کرنے کے لئے کسی ماخذ کا حوالہ دیا جاتا ہے لیکن اس اصلی ماخذ کو دیکھنے پر وہ بات ثابت نہیں ہوتی یا صرف جزوی طور پر ثابت ہوتی ہے۔

اخبار علمیہ

گم شدہ ''مغازی موسیٰ بن عقبہ'' کی دریافت

''مغازی موسیٰ ؒ بن عقبہ'' کا شمار سیرت کی مشہور و معتبر تصانیف میں ہوتا ہے۔ امام موسیٰ کے بھتیجہ اسماعیل بن ابراہیم کا روایت کردہ نسخہ ایک مدت سے غائب تھا جو اب تیرہ صدی بعد مل گیا ہے۔ اس کی طباعت اور جلد منظر پر آنے کی خوش خبری منشورات البشیر، نعطیہ مراکش نے دیتے ہوئے کتاب کے سرورق پر لکھا ہے کہ ''مغازی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ'' کا شمار سیرت کی سب سے صحیح روایت اور نسبت والی قدیم ترین کتب سیرت میں ہوتا ہے۔ مزید برآں یہ مغازی کے میدان میں سیرت کی سب سے معتبر و مستند کتاب اس لیے کہی جاتی ہے کہ اس پر امام مالک ؒ اور امام شافعیؒ کی شہادت موجود ہے۔ ممکن ہے اہل مغرب کے نزدیک تین مدنی نسبتوں قرأت نافع، مؤطا امام مالک اور مغازی موسیٰ بن عقبہ کا یہ نسخہ تتمہ ہو۔ یہ نسخہ اتنے زمانہ تک غائب رہا کہ اس کے غائب ہونے پر ''حارث بن مضاض'' کے غائب ہونے کی مثال صادق آتی ہے۔ یہ محض اللہ کی توفیق سے منکشف ہوا۔ یہ دو جلدوں میں ہے۔ اس کی تحقیق مراکش کے نامور محقق اور عالم ڈاکٹر محمد طبرانی نے دو جلدوں میں کی ہے۔ ڈاکٹر طبرانی نے دارالحدیث الحسینیہ سے پوسٹ گریجویٹ اور وہیں سے ڈاکٹر عباس الجریری کے زیر نگرانی ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی ہے۔ اس سے قبل علمائے سلف کی درج ذیل تصنیفات ان کی تحقیق سے منظر عام پر آچکی ہیں: سیرۃ العمر بن عبد العزیز لمؤلف من القرن الثالث ھ. المختار من کتاب عدد آی القرآن، لابن شاذان (ت نحو ۲۹۰ھ) کتاب التاریخ لعمر و بن علی الفلاس، کتاب الطبقات لحمید بن زنجویه السنوی (ت ۲۱۵ھ)، کتاب عدد آی القرآن لابی الحسن الانطاکی (ت ۳۷۷ھ) نکت و تنبیهات فی تفسیر القرآن المجید لابی العباس البسیلی، ابن طلحة الیابرّی ومختصر فی اصول الدین (ت ۵۲۳ھ) الحدود الکلامیة والفقهیة لابن سابق الصقلی (ت ۴۹۳ھ) المختصر البارع فی قراءة نافع لابن جزیّ الغرناطی، (ت ۷۴۱ھ)۔ اس وقت ڈاکٹر طبرانی جامعہ قاضی عیاض، مراکش میں استاد تفسیر وعلوم القرآن ہیں اور اس کی کلیّۃ اللغۃ العربیہ

سے وابستہ ہیں۔

مٹی کے محلات و مکانات

سعودی عرب کے شہر ریاض میں ایک ایسا محلہ ہے جہاں آج بھی صدیوں پرانے مٹی کے محل اور مکانات اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ موجود ہیں۔ ان میں السلیل گورنری کے جنوب میں واقع قدیم الرائع کالونی میں تاریخی خاندان آل حنیش کے محلات و مکانات اپنے منفرد نجدی طرز تعمیر کی بدولت ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ ایک مقامی فوٹو گرافر عبداللہ الفارس نے ان تاریخی عمارتوں کی تصویریں قید کی ہیں۔ عام زائرین اور تاریخی ورثہ میں دلچسپی رکھنے والوں کے لیے یہ غیر معمولی اہمیت اور دلچسپی کا مقام ہے۔ آل حنیش کے مکانات و محلات کی تاریخ تقریباً ڈھائی سو سال قدیم ہے۔ الفارس کا کہنا ہے کہ یہ مکانات ان عمارتوں اور آل حنیش کے ثقافتی ورثہ کی قدامت کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ان عمارتوں کا تنوع خاص طور پر دامن دل اپنی جانب کھینچتا ہے۔ مکانات میں کھڑکیوں اور دروازوں کی شاندار طریقہ سے آرائش کی گئی ہے۔ ان پر کندہ خطوط مقطعات، مثلث، دائرے اور مربع کی علامتیں واضح طور پر دیکھی جاسکتی ہیں۔ بعض دروازوں اور کھڑکیوں پر گل بوٹے، کھجور کے درختوں کی شکل اور انگور کے گچھے بنائے گئے ہیں اور دروازوں پر کندہ وراثت کی تزئین سے ایسی تعمیری شناخت کا علم ہوتا ہے جس سے معاشرہ کی ماحولیاتی اور سماجی خصوصیات کی عکاسی ہوتی ہے۔ ان عمارتوں کی خصوصیات میں ان کی پائیداری بھی ہے۔ جس نے آج تک انھیں قائم رکھا ہے۔ چھتوں میں کھجور کے مضبوط تنے استعمال کئے گئے ہیں۔ اس خطہ کے قدیم محلات ان سیاحوں کے لئے پرکشش مقام کی حیثیت رکھتے ہیں جو قدیم فن تعمیر سے واقفیت کی خواہش رکھتے ہیں۔ (العربیہ ڈاٹ نیٹ۔ نادیۃ الفواز۔ ۲۱/۱۱/۲۱ء صفحہ مشرق وسطیٰ)

جدید تعلیم کے متعلق چیف جسٹس کی رائے

اس وقت این وی رمنّا بھارت کی سپریم کورٹ کے چیف جسٹس ہیں۔ اپنے بعض اہم فیصلوں کے متعلق وہ

نیک نام بھی ہیں۔چند دنوں قبل آندھراپردیش کے ضلع انت پور کے سری ستیہ سائی انسٹی ٹیوٹ آف ہائر ایجوکیشن کے چالیسویں کانوکیشن میں خطاب اور طلبہ کو اسناد اور گولڈ میڈل پیش کرنے کے لیے انہیں مدعو کیا گیا تھا۔اس موقع پر انہوں نے اور باتوں سے قطع نظر جدید تعلیم کے متعلق اپنی جو رائے ظاہر کی ہے وہ یقینا بہت اہم اور ماہرین وشائقین علم کی توجہ کی مستحق ہے۔انہوں نے اپنے خطاب میں کہا کہ ''جدید تعلیم صرف مادی فوائد سے مربوط ہے۔اس کے ذریعہ طلبہ کے کردار اور اقدار نہیں بنائے جا سکتے۔'' حقیقی تعلیم وہ ہے جس میں کسی بھی فرد کی شخصیت کا مکمل فروغ ہو اور اس میں اخلاقی قدروں کو پروان چڑھانا شامل یا دوسرے لفظوں میں اخلاقی تربیت بھی ضروری ہے۔انہوں نے مزید کہا کہ حقیقی تعلیم صبر، باہمی شعور وسمجھ اور باہمی عزت واحترام کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔حقیقی انسانی اقدار کو بنانے کے لئے تعلیمی سفر جاری رکھنا چاہئے۔انہوں نے ہندوستانی ثقافت اور اقدار کو فروغ دینے کے لیے یونیورسٹی کی جانب سے کیے جانے والے اقدامات اور کوششوں کی ستائش کی اور کہا کہ اکتساب، آج کے دور کی ضرورت ہے اور اس میں ہندوستانی ثقافت اور اقدار کے جوہر شامل ہیں۔انہوں نے اس طرف خاص طور پر حاضرین کی توجہ مبذول کرائی کہ کوویڈ وبا کے دور نے عدم مساوات اور کمزوریوں کو بے نقاب کیا ہے۔واضح رہے کہ مذہب اسلام نے اخلاقی تعلیم وتربیت کی جانب سب سے زیادہ تاکید کی ہے۔(تاثیر پٹنہ ۲۳ نومبر ۲۱)

باہمی اتحاد و یگانگت کی عمدہ مثال

۱۹۴۷ء میں تقسیم وطن کے وقت بالخصوص ریاست پنجاب کے علاقہ میں نہ جانے کتنی مسجدیں ویران اور بعض برادران وطن اور سکھوں کے قبضہ میں چلی گئیں۔بیشتر مساجد مضافات کے مسلمانوں کے حوالہ بھی کی گئیں اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔اسی سلسلہ کی یہ خبر یقینا دلچسپی سے پڑھی جائے گی کہ ریاست پنجاب کے پٹیالہ علاقہ کے گاؤں شترانہ میں تقسیم وطن کے وقت سے بند ایک مسجد کو سکھ برادران نے جامعہ دارالسلام، انبالہ کے سربراہ مولانا جاوید ندوی کے حوالہ کردیا ہے۔مسجد کے بیرونی حصہ میں رہائش پذیر خاتون امریک کور نے جمعہ کی مناسبت سے مسجد کو سونپتے ہوئے کہا کہ یہ ان کی خوش قسمتی ہے کہ مسجد کو

عبادت کے لیے دیا جارہا ہے۔وہ طویل مدت سے اس ٹوہ میں تھیں کہ کوئی بندۂ خدا ملے تو وہ اس کو اس کے سپرد کردیں۔اس موقع پر سروپ سنگھ سانگا اور سرپنچ شترانہ سینل نے کہا کہ مسجد خدا کا گھر ہوتا ہے جو عبادت کے لیے خاص ہے۔پورے گاؤں کو خوشی ہے کہ اب اس میں پنج وقتہ نماز ہوگی۔آج جو بھی ہوا ہے خدا کے حکم سے ہوا ہے۔آج گرونانک دن بھی ہے جو پورے پنجاب میں منایا جارہا ہے۔مولانا جاوید صاحب نے اس موقع پر حاضرین بالخصوص مسلمانوں سے کہا کہ ہماری مسجد اور مسجد سے باہر والی زندگی یکساں ہونی چاہئے۔ بقائے باہم اسی کو کہتے ہیں کہ انسان نیک نیتی کے ساتھ ایک دوسرے کا تعاون کرے اور اس میں مذہبی اور طبقاتی بھید بھاؤ کو راہ نہ دے۔آج کے حالات میں مسلمانوں کے لیے یہ خبر یقینا باعث اطمینان وراحت ہے ۔(انقلاب،وارانسی ۲۱/۱۱/۲۰ء ص ۹)

برطانیہ کی ''پرسیفون'' نامی لڑکی کا قبول اسلام

پرسیفون کا تعلق لندن سے ہے۔وہ ایک آزاد خیال اور بے راہ رو لڑکی تھی۔اس نے ابھی حال ہی میں برطانوی نشریاتی ادارہ بی بی سی کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ اس نے اپنی سابقہ زندگی کو ترک کرکے مذہب اسلام کو اپنا لیا ہے۔اس کا یہ اعتراف بھی قابل ذکر ہے کہ اگر وہ مسلمان نہ ہوئی ہوتی تو کب کا اپنی زندگی کا خاتمہ کر چکی ہوتی۔اس کے مطابق سابقہ زندگی ترک کرنے کے بعد اس نے ایک کال سینٹر میں ملازمت اختیار کر لیا جہاں اس کی ملاقات حلیمہ سے ہوئی۔جس نے اس کی دنیا ہی بدل دی۔قبول اسلام سے پہلے اس نے روزہ رکھا تو اس کو بہترین روحانی احساس ہوا اور وہ اسلام کی جانب کھنچتی چلی گئی۔پھر حجاب لگانا شروع کیا اور الحمدللہ اس وقت وہ مسلمان ہے۔ایک طرف مغرب ومشرق کی سیاسی وفکری طاقتیں اسلام واہل اسلام کو دنیا سے ختم کرنے کی سازشیں رچ رہی ہیں اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ اس چراغ ہدایت کو جلا بھی وہیں سے بخش رہا ہے۔(انقلاب،وارانسی۔۲۱/۱۱/۲۲ء)(کلیم صفات اصلاحی)

ادبیات

نعت

ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

ڈائرکٹر گوشۂ مطالعات فارسی، جمال پور۔ علی گڑھ

Mob: 09897820777

ای مسلمانان کہ می خواہید آسان زیستن
بی ولای سید ابرارؐ نتوان زیستن

لیک حبّ سید ابرار ساز و نغمہ نیست
باید از دل تابع احکام قرآن زیستن

کار مومن نیست در ایں کارگاہ خیر و شر
مست بودن، رقص کردن، ہم غزل خوان زیستن

نوحہ بر کوریِ عقل خویشتن باید نمود
ای کہ قومی را کنی تعلیم گریان زیستن

در طریق مصطفیؐ باید کہ باشی گام زن
بعد مردن خواہی گر شادان و فرحان زیستن

ای رہین حکمت اعجام می دانی تو نیز
تا چہ خوش بختی ہمی آرد چو سلمان زیستن

خاک پایشؐ گر نصیب تار کم گردد رئیسؔ
من چرا خواہم بہ تاج و تخت و ایوان زیستن

تبصرۂ کتب

اسلامی سماجیات پر ایک بنیادی کتاب

اسلامی سماجیات کی طرف *Towards a Sociology of Islam*
(انگریزی)
مصنف: پروفیسر محمد الغزالی
فاروس میڈیا، دہلی، ۲۰۲۱، صفحات: ۲۴۵، قیمت: ۳۰۰ روپئے۔
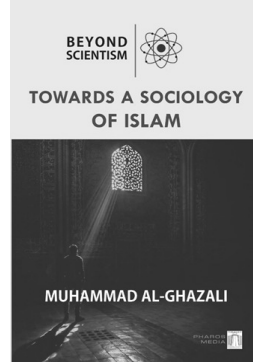
اسلام آباد اسلامی یونیورسٹی کے پروفیسر محمد الغزالی کی یہ انگریزی کتاب مسلم اور مشرقی ذہنوں کو جدید سماجی سوچ کو تشکیل کرنے والے یوروپی نظریات سے آزاد کرنے کی سمت میں ایک علمی اقدام ہے۔ علم ''سماجیات'' کو تشکیل دینے والے تصورات، اصولوں اور نتائج پر ایک واضح مغربی مہر ہونے کے باوجود، انھیں عموماً ''عالمگیر حقائق'' سمجھا جاتا ہے جو کہ وہ نہیں ہیں بلکہ وہ مغرب کے افکار، اقدار اور مفادات کی عکاسی کرتے ہیں۔ پروفیسر محمد الغزالی، جو فی الحال پاکستان سپریم کورٹ کی شریعت بنچ کے جج بھی ہیں، کی یہ جدید علمی پیشکش اس مفروضے کو ختم کرنے کی کوشش کرتی ہے کہ موجودہ سماجی علوم ''عالمگیر'' ہیں۔

یہ کتاب قرون وسطیٰ کے بعد کے یورپی معاشرے کے تاریخی تناظر میں تیار ہونے والے جدید سماجی علوم میں اختیار کیے گئے تجرباتی طریقوں کا تنقیدی جائزہ لینے کی کوشش کرتی ہے۔ یہ کتاب ان مقامات کو اجاگر کرتی ہے جہاں ان جدید سماجی علوم کا ٹکراؤ اسلام کے عالمی نظریے سے ہوتا ہے، وہ نظریہ جس نے ایک ہزار سال سے زیادہ تاریخی عرصے تک ایک ممتاز اسلامی معاشرہ بنایا، اسے برقرار رکھا اور مستقل ترقی دی۔ اسلامی معاشرے کی انفرادی خصوصیات کا خاکہ پیش کرنے کے بعد، یہ کتاب ایک نیا علمی طریقہ اختیار کرنے کی دلیل دیتی ہے جس کی بنیاد سچائی اور حق کے اسلامی معیاروں پر ہے۔

یہ کتاب مغربی روایت میں شامل تصوراتی اور منہجی غلطیوں کی نشاندہی کرتی ہے اور ایک نیا نقطۂ نظر

اپنانے کی دعوت دیتی ہے۔ مصنف کا کہنا ہے کہ یہ نیا نقطۂ نظر اسلامی عقیدے اور ثقافت کی جڑوں سے نکلنا چاہئے کیونکہ اسلامی اور مشرقی معاشرے کو ایک اجنبی نقطۂ نظر کی نگاہ سے نہیں دیکھا جانا چاہیے کیونکہ اس اجنبی نقطۂ نظر کی جڑیں مغربی نفسیات، تاریخ، اخلاقیات، مفادات اور تجربے میں پیوست ہیں۔

علم سماجیات کی یہ نئی کتاب اس بنیاد پر قائم ہے کی انسان اور معاشرے کی پیدائش اور ارتقاء کے بارے میں مغربی سیکولر اور مادیت پسند قیاس آرائیوں سے متاثر ہوئے بغیر انسانی معاشرے کا مطالعہ کرنے کے ضرورت ہے۔

جدید سماجی سائنس کے پروجیکٹ میں جن مفروضوں کو مدنظر رکھا گیا ہے ان کے تنقیدی جائزے کے بعد، مصنف نے مدینہ میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قائم کردہ مثالی انسانی معاشرے کی ممتاز خصوصیات پر توجہ مرکوز کی ہے۔

یہ کتاب علم سماجیات کی ایک نئی شروعات ہے اور اسے دنیا بھر کے تمام کالجوں اور یونیورسٹیوں میں سماجیات کے شعبوں میں پڑھایا جانا چاہیے تاکہ سوشیالوجی کے نظم وضبط پر ایک متبادل نقطۂ نظر پیش ہوسکے۔ مصنف کو امید ہے کہ یہ کام قابل اور باشعور اسکالرز کے ذریعے سماجی تحقیق کے صحیح اسلامی طریقے کی ترقی کی طرف ایک تعلیمی سفر کا آغاز ہوگا۔ یہ کتاب سماجیات کے ایک نئے نظم وضبط کی صحیح ترقی کے لیے ایک مستند بنیاد فراہم کرتی ہے جسے اس کی بنیادوں اور نتائج کی روشنی میں صحیح معنوں میں اسلامی اور مشرقی قرار دیا جاسکتا ہے۔

سو مسلم شخصیات *The Muslim 100* (انگریزی)

مصنف: **محمد مجلوم خان** Muhammad Mojlum Khan، کیوب Kube پبلشنگ لیمیٹڈ، مارک فیلڈ، لسٹر شائر، برطانیہ، ۲۰۲۱، صفحات ۶۰۸۔ قیمت: ۹۵ر۲۴ امریکی ڈالر۔
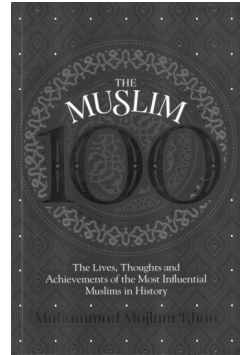
یہ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن ہے۔ پہلا ایڈیشن ۲۰۰۸ میں برطانیہ سے شائع ہوا تھا۔ مصنف بنگلہ دیشی نژاد برطانوی مصنف اور اسکالر ہیں۔ ان کے جد امجد پٹھان عنایت اللہ خان اورنگزیب کے زمانے میں سیلہٹ کے فوجدار تھے۔ ان کی دوسری کتابوں میں *Muslim Heritage of Bengal* (بنگال کا مسلم ورثہ، مطبوعہ ۲۰۱۳) شامل ہیں۔ اس کتاب میں

مصنف نے اپنے نقطۂ نظر سے اسلامی تاریخ کی ۱۰۰ اہم ترین شخصیات کا تعارف کرایا ہے۔ ان میں مندرجہ ذیل شخصیات برصغیر سے تعلق رکھتی ہیں: خواجہ معین الدین چشتی، شیخ احمد سرہندی، شاہ ولی اللہ، شہنشاہ اکبر، شاہ جہاں، اورنگزیب، محمد علی، سرسید، مولانا محمد الیاس، محمد اقبال، محمد علی جناح، ابوالاعلی مودودی اور محمد یونس۔ کتاب میں اسلامی تاریخ کی زمانی ترتیب (کرونولوجی) کے ساتھ کتابیات بھی شامل ہے۔

قرآنی معاشیات: پروفیسر عبدالعظیم اصلاحی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد، صفحات ۲۶۸، قیمت ۳۰۰ روپے، پتہ: ہدایت پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرس، ایف-۱۵۵، فلیٹ نمبر: ۲۰۴، ہدایت اپارٹمنٹ، شاہین باغ، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی: ۲۵۔ فون: ۹۸۹۱۰۵۱۶۷۶۔

دور حاضر کے علوم میں علم معاشیات کی اہمیت جس درجہ ہے، ماضی میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ زندگی کے مادی تقاضوں سے وابستہ ہونے کی وجہ سے شاید علوم مذہبی کی بالادستی نے اس کو اہمیت نہیں دی تھی۔ لیکن موجودہ دور میں اس کی ضرورت نے مذہبی انداز نظر سے دیکھے جانے کا احساس دلایا، خصوصاً اسلامیات میں معاشیات پر جس طرح روز اول سے توجہ دی گئی اور ایسے اصول پیش کیے گئے جن کے ذریعہ اس علم کی بڑی سے بڑی عمارت قائم کرنے میں دشواری نہیں ہوسکتی۔ فنی اصطلاحات کی جدیدیت سے بنیادی مباحث کی قدامت کو رد نہیں کیا جاسکتا، بلکہ جدید اسلوب میں قدیم مذہبی احکام کی روح اور انسانی معاشرہ میں اس کی عمل داری کا تجزیہ پہلے سے زیادہ قابل قبول ثابت ہوسکتا ہے۔ اس کتاب کے فاضل مولف کی شناخت و شہرت، علم معاشیات کے ماہر کی حیثیت سے ہے۔ اور یہ توفیق الٰہی ہے کہ انہوں نے اس علم کو اس حقیقت سے آشنا کرنے کی کوشش کی کہ اسلام اور قرآن نے زمین، پیداوار، محنت، سرمایہ، تنظیم اور تقسیم جیسے معاشی عوامل کے باب میں رہنمائی کی ہے، مادی عوامل کے فروغ اور ان کی حفاظت کے ساتھ اسلام کا یہ پیغام بھی بنیادی حیثیت رکھتا ہے کہ پیداوار میں اس حقیقی اور غیر مرئی عامل کا حق بھی ملحوظ رہے جس کے بغیر بقول مصنف 'سب کیا دھرا پڑا رہ جائے گا'۔ کتاب تیرہ مضامین پر مشتمل ہے اور ہر مضمون کا رشتہ قرآن مجید سے ہے، فاضل مصنف نے ان تحریروں کو اس دعوی کے ساتھ پیش کیا ہے کہ گرچہ کئی زبانوں میں اسلامی معاشیات پر بے شمار کتابیں موجود ہیں لیکن زیر نظر کتاب ان میں ایسا اضافہ ہے جو تمام تر قرآنی آیات کی روشنی میں اسلامی معلومات کے کچھ اہم پہلوؤں پر معلومات کا سبب ہے۔ مصنف کا کہنا ہے کہ قرآنی معاشیات

کی ہر چیز اسلامی معاشیات میں شامل ہے لیکن اسلامی معاشیات کی ہر بات قرآنی معاشیات کا حصہ نہیں ہوسکتی۔ دونوں میں خاص وعام کا تعلق ہے۔ یہ ابہام کتاب کے اندرون میں صاف ہوجاتا ہے، چونکہ یہ مضامین رسالہ علوم القرآن میں شائع ہوتے رہے اس لیے کہیں کہیں ان میں تکرار کا احساس ہوتا ہے لیکن یہ تکرار بھی قرآنی اسلوب کی یاد دلاتا ہے۔ ایک اور خوبی جس کی نوعیت خود مصنف نے واضح کی ہے وہ یہ ہے کہ عصری معاشیات کے نصاب کی ترتیب کا خیال رکھا گیا تاکہ ایک نئے طالب علم کے لیے تفہیم و ترسیل میں دشواری نہ ہو، یعنی پیداوار، تقسیم اور صرف یا خرچ کو پیش کرکے پھر زکوۃ، سود، حق ملکیت وغیرہ کی تفصیل دی گئی ہے۔ جدید نظریات اور اسلام کے نظام حیات کے تصورات میں مطابقت کا اظہار حد درجہ احتیاط کا بھی متقاضی ہے، کتاب میں یہ احتیاط سطر سطر سے نمایاں ہے۔ تقوی اور دینداری کے معاشی نتائج اور معصیت سے بے برکتی پر جس طرح اظہار خیال کیا گیا ہے وہ بے ساختہ داد دینے پر مجبور کرتا ہے۔ اپنے موضوع ہی نہیں قرآن مجید کے مطالعہ کے ایک نئے زاویہ کی حیثیت سے بھی یہ کتاب بار بار پڑھنے کے لائق ہے۔

مجالس علم و عرفاں: مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری مرحوم، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، مجلد، صفحات ۳۶۰، قیمت درج نہیں، پتہ: سید احمد شہیدؒ اکیڈمی، دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی، یوپی اور لکھنؤ کے مشہور مکتبے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تقریروں اور تحریروں سے ایک دنیا واقف ہے۔ ان کی اہمیت وافادیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ لیکن مولانا ندوی کی عام مجلسیں اپنے کیف وکم کے اعتبار سے غیر معمولی امتیاز کی حامل کہی جاسکتی ہیں، اہل علم و معرفت کی محفلیں ہمیشہ سے خیر کا سرچشمہ ثابت ہوتی رہی ہیں۔ اردو میں ایسی کتابوں کی کمی نہیں جو کسی صاحب نظر کی نجی محفلوں کی گفتگو پر مشتمل ہیں۔ زیر نظر کتاب بھی اسی پاکیزہ روایت کا حصہ ہے جس میں مولانا ندوی کے علم و معرفت کے ان جواہر اور موتیوں کو سمیٹا گیا ہے جو خاص طور پر رمضان المبارک میں عشاء کی نماز کے بعد کی خاص مجلسوں کی آب وتاب بڑھاتے تھے۔ قریب چار سال کی مجلسوں کی یہ روداد بس پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ فاضل جامع و مرتب مولانا نذر الحفیظ ندوی مرحوم، مولانا کے خاص دست گرفتہ تھے بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ انہوں نے اپنی شخصیت ہی کو اپنے استاذ و مرشد کی ذات میں سمو دیا تھا۔ صحبت کے اثر کا شاید ہی کوئی سلیم الفطرت، منکر ہو، اگر صحبت میسر نہیں تو

بزرگوں کے ارشادات وملفوظات اوران کی مجلسوں کی روداد کسی نہ کسی درجہ محفل میں حاضری کی لذت بخشنے میں بڑا ذریعہ بن جاتی ہیں۔زیر نظر کتاب میں قریب ساٹھ مجلسوں کے ذریعہ گویا علوم اسلامیہ کی روح سے واقفیت ہو جاتی ہے، عقیدہ، کلام، تذکرہ، ادب، سیاست اور سب سے بڑھ کر ایک قابل تقلید زندگی کی فکر اور جذبات کا ایسا ماحول مل جاتا ہے جس میں افادیت ہی افادیت ہے، اس کے سوا کچھ نہیں۔ بہت صحیح کہا گیا کہ مجالس کی بے تکلف گفتگو میں کبھی کبھی ایسے باریک حقائق سامنے آتے ہیں جو باقاعدہ تصنیفوں اور تقریروں میں نہیں آپاتے۔ فاضل مرتب نے جس ذوق و شوق سے اپنی سماعت کی دنیا آباد کی ٹھیک اسی طرح انہوں نے دوسروں کے سامنے اس خزانہ کو کھول دیا۔ اسی سال جنوری میں یہ کتاب شائع ہوئی، فروری میں انہوں نے نہایت محبت سے یہ کتاب معارف کے حوالہ کی، اس وقت کورونا کی بلا، عام ہو چکی تھی، فاضل مولف نے مقدمہ میں لکھا کہ ''کروناوائرس کے اس عالمی طوفان میں علم و عرفان کے اس سفینہ نے جو پیغام ہم سب تک پہنچایا ہے وہ صبر و تقوی کا ہے''۔ کیا خبر تھی کہ کرونا کا یہ عالمی طوفان خود ان کو بھی ہم سے جدا کر دے گا۔ ہاں صبر و تقوی کی تلقین کرنے والا یقیناً اجر محسنین کا حقدار ہے اور یہ کتاب گویا ان کے لیے صدقہ جاریہ۔

شوکت پردیسی، حیات اور کارنامے: از جناب ایس، ایم عباس، مرتبین جناب ابوذر انصاری، جناب محمد عرفان جونپوری، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۲۳۲، قیمت ۳۰۰ روپے، پتہ: انور عباس ایڈوکیٹ، محلہ تاڑتلہ، ایچ پی او، جونپور ۲۲۲۰۰۱/اور مرتبین سے بھی کتاب حاصل کی جاسکتی ہے ان کے فون نمبر بالترتیب یہ ہیں: ۹۰۴۴۴۲۴۲۰۸/۹۳۸۹۲۴۹۰۲۷۔

جونپور کی مردم خیز سرزمین علم وادب کی نمائندہ شخصیتوں سے ہمیشہ آباد رہی، ان میں کچھ کو شہرت کی فضاؤں میں پرواز کا موقع ملا تو بعض بے بال وپری کی کیفیت ہی سے مطمئن رہے۔ شوکت پردیسی مرحوم کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ شاعر، ادیب، افسانہ نگار، صحافی تھے۔ کبھی جونپور میں محمد عرفان بن کر رہے اور جب زندگی کے سفر نے ان کو ممبئی پہنچایا تو پردیس ان کے نام کا جزو اس طرح بنا کہ پھر عمر کی آخری منزل تک وہ شوکت پردیسی ہی رہے۔ محوی وسیماب اور حسرت موہانی اور نوح ناروی جیسے اساطین شعر وادب سے تلمذ اور سلام مچھلی شہری، افقر موہانی، شکیل بدایونی، اعجاز صدیقی، ماہر القادری اور کیف بھوپالی جیسے مشاہیر سے تعلق خاطر۔ خود شوکت پردیسی کی شخصیت کا بہترین تعارف ہے۔ اس کتاب میں بڑے سلیقے سے شوکت کی

شاعری کا جائزہ لیا گیا ہے۔ جائزہ پہلے ہے بعد کے صفحات میں ان کے کلام کا انتخاب شاید اسی لیے پیش کیا گیا کہ تجزیوں کے بعد اصل شاعری کی اہمیت اور نکھر جائے۔ شوکت کی زندگی نے وفا نہ کی یا وہ خود سے ناراض رہے، ورنہ ان کی شاعری ان کی امتیازی شان کی کچھ اور ہی داستان بیان کرتی۔

دل جلے یا دیا جلے شوکت رات افسانہ کہہ گزرتی ہے

تھے کبھی روح انجمن شوکت اب تو ہیں اجنبی سے یاروں میں

جب سے شوکت جائزہ اپنا لیا مجھ کو تو سب آئینے پتھر لگے

شوکت نے خدا جانے کس عالم میں اپنا جائزہ لیا لیکن اس کتاب میں ان کے رفیق جناب ایس ایم عباس نے صرف دوستی کا حق ادا نہیں کیا۔ اردو تنقید و تجزیہ کی عمدہ مثال بھی پیش کر دی۔ انہوں نے شوکت مرحوم کی زندگی کے کچھ پہلوؤں کو پیش کرنے کے بعد ان کی غزلوں، گیتوں، رباعیات و قطعات اور بچوں کے ادب کے حوالہ سے بڑی مفید اور دلکش گفتگو کی، عباس صاحب ابھی کچھ دنوں پہلے تک جونپور کی آبرو بنے ہوئے تھے، اچانک وہ سفر آخرت کے راہی ہوگئے۔ یہ کتاب شوکت پردیسی کے ساتھ ان کی یاد دلاتی رہے گی۔

شمس نامہ: مرتب پروفیسر سید حسن عباس، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد، صفحات ۱۵۲، قیمت ۲۰۰ روپے، پتہ: مرکز تحقیقات اردو و فارسی گوپال پور، باقر گنج، سیوان، بہار۔ ۸۴۱۲۸۶

اس کتاب کے پیش نامہ کی اولین سطروں میں جو کہا گیا مرتب کے علاوہ کوئی اور بھی لکھتا تو آغاز اسی عبارت سے ہوتا کہ گذشتہ پچیس تیس برسوں کے دوران جن معاصر ادیبوں نے اپنی شناخت قائم کی ان میں ڈاکٹر شمس بدایونی سر فہرست ہیں۔ ڈاکٹر صاحب معارف کے لیے بھی معروف و متعارف ہیں، معارف میں ان کے مضامین شائع ہوئے ان کی کتابوں پر بھی ان سطروں میں کچھ نہ کچھ لکھا گیا، لیکن ان کی شخصیت اور ان کی علمی و تحقیقی کاوشوں بلکہ فتوحات اس لائق ہیں کہ ان کے کارناموں کا قرار واقعی اعتراف کیا جائے۔ یہ کتاب شاید اسی احساس کا نتیجہ ہے اور وہ بھی خود ایک قابل قدر نقاد کی محنت کا حاصل ہے۔ ظاہر ہے یہ بدایونی صاحب کی تحقیقی و علمی کاوشوں کا مبسوط جائزہ نہیں، بلکہ صرف ان کا اشاریہ ہے جو تصنیفات، تالیفات اور مرتبات کی شکل میں مطبوعات کا احاطہ کرتا ہے، باقی مضامین کو تاریخ و تذکرہ، تحقیق و تنقید، نقد ادب،

شخصیات، غالبیات، شبلیات، سر سیدات، وفیات، مکتوبات، صحافت، تبصرہ اور متفرقات میں درج کیا گیا ہے۔ ان عنوانوں ہی سے اندازہ ہوتا ہے کہ بدایونی صاحب کے قلم نے کیسی کیسی وادیاں سر کی ہیں، ان کے مطالعہ میں وسعت ہے اور گہرائی بھی۔ یہی خوبی ان کو نامور اہل قلم کی صف میں نمایاں جگہ عطا کرتی ہے۔ اشاریے ہمیشہ مفید اور کارآمد ہوتے ہیں۔ یہ اشاریہ تصویروں اور بعض نادر عکسوں کے لحاظ سے مفید تر ہو گیا ہے۔ (ع-ص)

رسید کتب موصولہ

احادیث نبویؐ میں پھلوں کا تذکرہ: حکیم وسیم احمد اعظمی، رفیدہ پبلی کیشنز، شیخوپور کالونی، وکاس نگر، لکھنؤ۔ قیمت: ۱۱۰روپے

اسلامی ثقافت: (مترجم) مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی، بیت الحکمت، کریم الدین پور، گھوسی، مئو۔ قیمت: ۱۸۰روپے

سیرت رسول اعظمؐ: ڈاکٹر مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی، کمال بک ڈپو، متصل مدرسہ شمس العلوم، گھوسی، مئو۔ قیمت: ۵۰۰روپے

شب ہجراں (ناول): سرور غزالی، آستانۂ حق، روڈ نمبر ۱۰، ویسٹ بلاک، نیو کریم گنج گیا (بہار)۔ قیمت: ۲۰۰روپے

طراز قلم (تنقیدی مضامین): ڈاکٹر شکیل احمد، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، انصاری روڈ دریا گنج نئی دہلی۔ قیمت: ۱۲۰روپے

عہد اسلامی کے مشہور حکما، اطبا اور سائنس داں: مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی، بیت الحکمت، کریم الدین پور، گھوسی، مئو۔ قیمت: ۴۰۰روپے

غوری کے خطوط، ''زوم'': ابن غوری، اسلامک بک سینٹر، سات گنبد روڈ، ٹولی چوکی، حیدرآباد۔ قیمت: ۹۰روپے

کتاب یاری (تبصرے): مولانا ڈاکٹر شکیل احمد، مکتبہ نعیمیہ، صدر چوک، مئوناتھ بھنجن (یوپی)۔ قیمت: ۲۰۰روپے

مقالات مورخ اسلام: مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی، کمال بک ڈپو، متصل مدرسہ شمس العلوم گھوسی، مئو۔ قیمت: ۴۵۰روپے

نوّر القمر: مضطر اعظمی، کمال بک ڈپو نزد مدرسہ شمس العلوم گھوسی، مئو (یوپی)۔ قیمت درج نہیں

مقالہ نگاروں کے لیے اعلان

۱۔ مضمون صرف ورڈ MS Word پروگرام میں، جمیل نوری نستعلیق فانٹ، پوائنٹ ۱۵ میں بذریعہ ایمیل بھیجیں۔ایمیل کا پتہ: info@shibliacademy.org

۲۔اگر مضمون مخطوطہ حالت میں دستی یا ڈاک سے بھیجا جارہا ہے تو براہ کرم کاغذ کے صرف ایک طرف اچھا حاشیہ چھوڑ کر لکھیں اور مضمون کی ایک کاپی اپنے پاس ضرور محفوظ رکھیں۔

۳۔ہر صفحے کے حوالہ جات اسی صفحے پر نیچے حاشیے پر نمبر وار لکھیں۔

۴۔آسان اور عام فہم زبان استعمال کریں۔ غیر ضروری طور پر انگریزی الفاظ نہ استعمال کریں۔

۵۔ حوالے اس ترتیب سے ہوں: مصنف، کتاب کا نام، ناشر، جگہ، سال، جلد (اگر ایک سے زیادہ جلد ہو)، ایڈیشن (اگر طبع اول کے بعد کا ایڈیشن ہو)، صفحہ / صفحات۔

۶۔ مضمون A4 سائز کے ۶۔۲۰ صفحات کے درمیان ہو اور ہر مضمون اپنی جگہ مکمل ہو۔

۷۔معارف میں حتی الامکان سلسلہ وار مضامین نہیں شائع کئے جائیں گے۔

۸۔ معارف میں صرف غیر مطبوعہ مضامین و مقالات کو جگہ دی جائے گی۔ کہیں اور چھپنے کے لئے بھیجا گیا مضمون قابل قبول نہیں ہوگا۔

۹۔نئے مقالہ نگار اپنے مضامین کو معارف بھیجنے سے پہلے اپنے اساتذہ یا معتبر اہل علم کو دکھالیں۔

۱۰۔نئے مقالہ نگار اپنے مضمون کے ساتھ اپنی مختصر کوائف نیز پورا پتہ بشمول موبائل اور ایمیل پتہ بھی بھیجیں۔

تصانیف ـــــ علامہ شبلی نعمانیؒ

کتاب	قیمت
سیرۃ النبیؐ جلد اول و دوم (یادگار ایڈیشن)	2000/-
سیرۃ النبیؐ	
(خاص ایڈیشن مکمل سیٹ ۷ جلدیں)	2800/-
علامہ شبلی و سید سلیمان ندوی	
مقدمہ سیرۃ النبیؐ	30/-
الفاروق	350/-
الغزالی	300/-
المامون	175/-
سیرۃ النعمان	300/-
سوانح مولانا روم	220/-
شعر العجم اول	250/-
شعر العجم دوم	150/-
شعر العجم سوم	125/-
شعر العجم چہارم	200/-
شعر العجم پنجم	150/-
الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی	350/-
(محقق ایڈیشن) تحقیق: ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی	
الکلام	250/-
علم الکلام	200/-

کتاب	قیمت
موازنہ انیس و دبیر	250/-
اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر	100/-
سفرنامہ روم و مصر و شام	200/-
کلیات شبلی (اردو)	220/-
کلیات شبلی (فارسی)	----
مقالات شبلی اول (مذہبی)	170/-
مرتبہ: سید سلیمان ندوی	
مقالات شبلی دوم (ادبی) //	70/-
مقالات شبلی سوم (تعلیمی) //	170/-
مقالات شبلی چہارم (تنقیدی) //	200/-
مقالات شبلی پنجم (سوانحی) //	150/-
مقالات شبلی ششم (تاریخی) //	150/-
مقالات شبلی ہفتم (فلسفیانہ) //	100/-
مقالات شبلی ہشتم (قومی و اخباری) //	110/-
خطبات شبلی مرتبہ: عبدالسلام ندوی	150/-
انتخابات شبلی مرتبہ: سید سلیمان ندوی	200/-
مکاتیب شبلی اول //	150/-
مکاتیب شبلی دوم //	190/-
اسلام اور مستشرقین چہارم (علامہ شبلی کے مقالات)	250/-

ISSN 0974-7346 Maarif (Urdu) Print DECEMBER 2021 Vol. 208/6

RNI No. 13667/57 MAARIF AZM/NP-43/022

Monthly Journal of

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY

P.O. Box No: 19, Shibi Road, Azamgarh, 276001 U.P., India

Tel. 06386324437 Email: info@shibliacademy.org

دارالمصنّفین کی چند اہم مطبوعات

۱۔سیرت عمر بن عبدالعزیز	مولانا عبدالسلام ندوی	100/-
۲۔مولانا الطاف حسین حالی کی یاد میں	اشتیاق احمد ظلی	250/-
۳۔مطالعاتِ شبلی	اشتیاق احمد ظلی	550/-
۴۔حیاتِ سعدی	خواجہ الطاف حسین حالی	400/-
۵۔شبلی شناسی کے اولین نقوش	ظفر احمد صدیقی	600/-
۶۔آپ بیتی (مرتب: ڈاکٹر خالد ندیم)	علامہ شبلی نعمانی	325/-
۷۔امام رازیؒ	مولانا عبدالسلام ندوی	320/-
۸۔حیاتِ سلیمان	شاہ معین الدین احمد ندوی	600/-
۹۔تذکرۃ المحدثین اول	مولانا ضیاءالدین اصلاحی	200/-
۱۰۔تذکرۃ المحدثین دوم	مولانا ضیاءالدین اصلاحی	225/-
۱۱۔تذکرۃ المحدثین سوم	مولانا ضیاءالدین اصلاحی	300/-
۱۲۔محمد علی کی یاد میں	سید صباح الدین عبدالرحمن	120/-
۱۳۔مولانا ابوالکلام آزاد	مولانا ضیاءالدین اصلاحی	240/-
۱۴۔ابن رشد	محمد یونس فرنگی محلی	330/-
۱۵۔تاریخ اسلام اول و دوم (مجلد)	شاہ معین الدین احمد ندوی	375/-
۱۶۔تاریخ اسلام سوم و چہارم (مجلد)	شاہ معین الدین احمد ندوی	500/-
۱۷۔تاریخ صقلیہ اول	سید ریاست علی ندوی	400/-
۱۸۔تاریخ صقلیہ دوم	سید ریاست علی ندوی	400/-
۱۹۔اسلام میں مذہبی رواداری	سید صباح الدین عبدالرحمن	250/-
۲۰۔یہود اور قرآن	مولانا ضیاءالدین اصلاحی	100/-